4



رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

دار السلام
DARUSSALAM

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یادیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا



دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

© مكتبة دارالسلام، ١٤٣٥ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
عميرة، عبدالرحمن
رجال انزل الله فيهم قرآنا - ج ٤. / عبدالرحمن عميرة - الرياض، ١٤٣٥ هـ
ص: ٢٣٢ مقاس: ٢١×١٤ سم
ردمك: ٩-٢٧٦-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (النص باللغة الاردية)
١. الصحابة والتابعون ٢. القرآن - اسباب النزول ٣. السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩,٩ ١٤٣٥/١٠٤٠
رقم الإيداع: ١٤٣٥/١٠٤٠
ردمك: ٩-٢٧٦-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121
الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • فون: 001 416 4186619
لندن • دارالسلام انٹرنیشنل فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • فیکس: 0044 0121 7739309
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997
انڈیا • دارالسلام فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک فون: 0091 22 2373 4180
• فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • فون: 0091 44 42157847
سری لنکا • دار الکتاب فون: 0094 115 358712 • فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 0092 42 373 240 34,372 400 24,372 32 4 00 فیکس: 042 373 540 72
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03
• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دوکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ورچ سنٹر: 0092 51 22 815 13
info@darussalampk.com | www.darussalampk.com

4



رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرہ

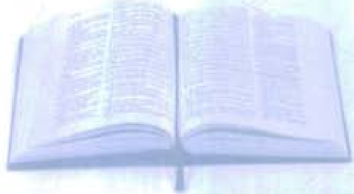
اردو قالب: حافظ عمار فاروق سعیدی

دار السلام
DARUSSALAM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فہرست

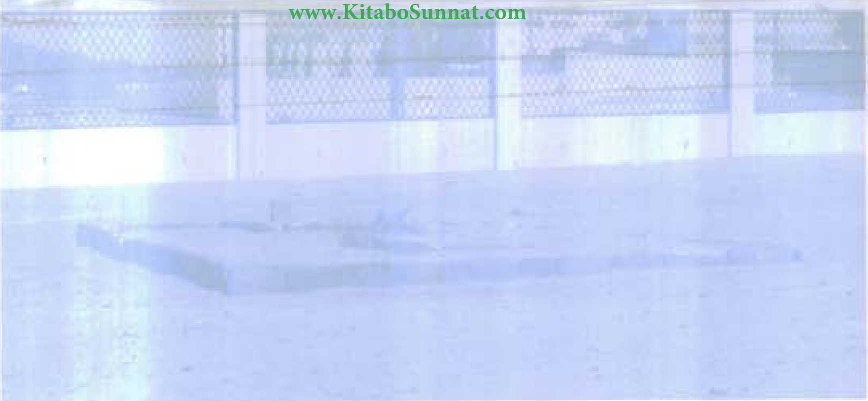


حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝﴾

"(اے نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔ بے شک آپ کا رب ہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف پہنچی ہو اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور (اے نبی!) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان (کفار) پر غم نہ کھائیں اور نہ آپ اس پر تنگی میں مبتلا ہوں جو وہ مکر (سازشیں) کرتے ہیں۔"[1]

[1] النحل 16:125-127.



حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

اللہ اور اس کے رسول کے شیر، رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق تمام شہیدوں کے سردار اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے لیے خویلد بن اسد کی طرف رسول ﷺ کے ایلچی، نیز وہ پہلا جھنڈا اٹھانے والے جسے رسول اللہ ﷺ نے سرکش قریشیوں کے خلاف باندھا تھا۔

ان گھروں میں پلے بڑھے جنھوں نے کعبے کی عمارت کو یوں گھیرا ہوا تھا جیسے کلائی پر کڑا، مکہ کی گھاٹیوں اور آسمان کی طرف بلند ہوتی چوٹیوں پر آنکھ کھولی، اپنے ہم عمر اور ہم مشرب قریشی بچوں اور نوجوانوں کے ساتھ پلٹنا جھپٹنا سیکھا، تیر اندازی اور ہدف پانے میں مہارت حاصل کی۔

جب بازو مضبوط ہونے لگے، مسیں بھیگنے لگیں اور انھوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو مکہ کی گھاٹیاں اور وہاں کے کھیل کم پڑ گئے، اب ہر دن کھلی وادیوں کی طرف نکل جاتے، بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھتے اور ہر دم ٹوہ اور تلاش میں رہتے کہ کسی چیز کو شکار کریں، کسی پرندے کو گرائیں یا کوئی خرگوش وغیرہ نظر آئے تو اسے اپنے تیر کا نشانہ بنائیں۔

جب سورج ڈھلنے کے قریب ہوتا شکار کو اپنی سواری پر لادتے، اپنے قدموں کو گھر کی طرف بڑھاتے اور مکہ کی طرف لوٹتے تاکہ جلدی سے کعبہ کی طرف جائیں اور قریشیوں کی بیہودہ مجلس میں شریک ہو جائیں جہاں وہ اپنی زندگی فضولیات میں گزار رہے تھے، اچانک ایک دن انھوں نے محسوس کیا کہ ان کے گرد کچھ نیا ہو رہا ہے اور کچھ بات ہے جو واضح نہیں ہو رہی۔ ہوا یوں کہ قریش نے چاہا: دارالندوہ میں جمع ہو کر محمد کے اس نئے دین کے بارے میں، جس کی وہ دعوت دیتا ہے کچھ مشورہ کیا جائے۔ وہ ایسا دین تھا جس کے بارے میں ان کے دادوں پردادوں نے بھی نہیں سنا تھا مگر اس کے باوجود مکہ کے نوجوان اس کے بارے میں سنتے ہی اس میں داخل ہو جاتے، ان میں غریب، مسکین اور غلام تک سب شامل تھے اور محمد ﷺ جس چیز کی دعوت دے رہے تھے وہ اس کی اتباع کر رہے تھے۔

پر جو چیز بہت اہم تھی، جس نے حمزہ کی راحت ختم کر دی تھی اور ہر وقت ان کے سر پر سوار تھی وہ کمزور اور نادار خادموں اور غلاموں پر طرح طرح کے عذاب تھے اور ان پر ڈھائے جانے والے نت نئے ہتھکنڈے تھے۔

یہ کون سا اور کیسا دین ہے جس کی محمد ﷺ دعوت دے رہے ہیں!

حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

وہ ان کے رضاعی بھائی ہیں، زندگی کے ساتھی ہیں اور بچپن کے رفیق ہیں۔

حمزہ رضی اللہ عنہ جانتے ہیں کہ وہ عمدہ اخلاق کے حامل ہیں، کمزوروں سے محبت کرتے ہیں اور ظلم کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں۔

وہ آج اور آج سے قبل بھی اپنے خاندان اور قبیلے میں امین اور سچے جانے جاتے

ہیں۔ وہی تھے جو قریش کے خونوں کے محافظ ثابت ہوئے جب وہ لوگ حجر اسود رکھنے کے متعلق اختلاف کا شکار ہو گئے تھے اور یہ کارنامہ انھوں نے تب انجام دیا تھا جبکہ وہ بچے تھے اور آج، جبکہ وہ مکمل جوان ہو چکے ہیں، کیا اپنی قوم کے لیے کوئی ایسی چیز لا سکتے ہیں جو ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کر کے ان کے اکٹھ کو تباہ کر دے؟

محمد ﷺ کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔

ان سے حق اور عدل کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا، وہ انھیں خیر کے علاوہ کسی اور طرف نہیں بلا سکتے۔

محمد ﷺ جو بیان کرتے ہیں اپنے رب سے بیان کرتے ہیں۔

کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ لوگوں میں تو سچے اور امانت دار ہوں اور اپنے رب پر بہتان باندھیں اور اس کی جانب ایسی من گھڑت باتیں منسوب کر دیں جو اس نے ان کی طرف وحی ہی نہیں کیں؟ نہیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

حمزہ اپنے آپ سے ایسی ہی باتیں سوچتے رہتے، اسی انداز سے سوچوں میں ڈوبے ایک دن گھوڑے کو دوڑائے شکار کو جا رہے تھے کہ غار سے ایک لومڑی نکلی، انھوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے مار گرانے کی نیت سے اس کی طرف تیر پھینکا اور اس معاملے نے ان کی سوچ کو محمد ﷺ کی باتوں اور ان کے خلاف جو کچھ قریش تدبیریں کر رہے تھے، موڑ دیا۔

شام کے وقت حمزہ بڑے خوش خوش شمشیر و سناں لٹکائے، ہرن، مختلف پرندے اور جانور ساتھ لیے شکار سے واپس لوٹے، ابھی مکہ کی گھاٹیوں کے قریب ہی تھے کہ انھیں کسی نے زور سے پکارا، دیکھا تو عبداللہ بن جدعان کی لونڈی ہے، اس کی طرف متوجہ

ہوئے تو وہ کہنے لگی: ''ابو عمارہ! کاش! تم دیکھتے کہ ابوالحکم بن ہشام نے تمھارے بھتیجے کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے محمد ﷺ کو ایک جگہ بیٹھا دیکھا تو ان کے پاس آکر انھیں بہت سبّ و شتم کیا، بہت زیادہ اذیت دی اور بول بول کر خود ہی چلا گیا لیکن محمد ﷺ نے اسے کچھ نہیں کہا۔''

اس عورت کا یہ بات کرنا تھا کہ ان کے دل و دماغ پر غصے کے بادل چھا گئے اور انھوں نے دل ہی دل میں کچھ فیصلہ کرلیا۔ تیزی سے چلے جارہے ہیں، کسی کے پاس لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں رکتے، ان کا دل چاہ رہا تھا کہ ابوجہل کو پاتے ہی اس پر جھپٹ پڑیں۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو اسے لوگوں کے درمیان بیٹھا پایا، آگے بڑھے اور اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور کمان نکال کر بڑے زور سے اس کے سر میں دے ماری جس سے اسے کافی گہرا زخم لگ گیا اور کہا:

تو اسے گالی دیتا ہے! تو لے میں بھی اس کے دین پر ہوں، میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے، تجھ میں طاقت ہے تو مجھے روک۔ بنو مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کے لیے غلط ارادے سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے لیکن ابوجہل نے روک دیا اور کہا: ابو عمارہ کو چھوڑ دو، واقعی میں نے اس کے بھتیجے کو بہت برا بھلا کہا ہے۔''[1]

حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر لوٹ آئے، ان کے دن بھر کی تکان دور ہوئی تو بیٹھ کر سوچنے لگے اور جو کچھ آناً فاناً ہوا اس پر غور کرنے لگے:

انھوں نے اسلام لانے کا اعلان کیسے اور کیوں کردیا؟

یقیناً انھوں نے غصے میں اور ردّعمل کے طور پر اس کا اعلان کیا، انھیں برا لگا کہ ان

[1] المستدرك للحاكم: 213/3.

کے بھتیجے کو رسوا کیا جائے، اس پر زیادتی کی جائے اور اس کے قبیلے میں سے کوئی اس کا مددگار اور معاون بھی نہ ہو، اس لیے ان کو غصہ آ گیا اور بنو ہاشم کی غیرت جاگ اٹھی تو جو کرنا تھا کر دیا، ابو جہل کا سر پھاڑ دیا اور سب کے سامنے ببانگ دُہل مقابلے کا چیلنج دیتے ہوئے اسلام لانے اور محمد ﷺ کی اتباع کا اعلان کر دیا۔

لیکن کیا یہ عقل مندی ہے کہ انسان اپنے آباء واجداد اور احباب کا دین چھوڑ دے اور ایسا دین اختیار کر لے جس کی تعلیمات اور حقیقت سے بھی بخوبی آگاہ نہیں ہے؟

صحیح ہے۔ محمد ﷺ کی صداقت، ان کے مقصد کی پاکیزگی میں کوئی شک نہیں لیکن کیا اس انداز سے غصے کے لمحات میں کسی انسان کا اپنی مسئولیات اور ذمہ داریوں سے یکسر سبکدوش ہو کر نئے دین کو اختیار کر لینا درست ہے جیسا کہ انھوں نے ابھی کیا ہے؟

حمزہ رضی اللہ عنہ بسا اوقات عاجزی سے گڑگڑاتے ہوئے، آسمان کی جانب ہاتھ اٹھائے بیت اللہ کے روبرو کھڑے ہو جاتے تاکہ وہ ان کو حق سُجھا دے اور سیدھے راستے کی توفیق دے۔

پھر کیا ہوا؟

آیئے! انھی کی زبانی سنتے ہیں۔

''پھر مجھے اپنی قوم اور آباء واجداد کا دین چھوڑنے پر ندامت ہونے لگی اور میں بہت بڑے شک میں پڑ گیا، رات کو سوتا تو نیند نہ پڑتی، بالآخر میں نے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا دیے کہ میرا سینہ کھول دے اور میرا یہ تردد اور بے چینی دور فرما دے۔ اللہ نے میری دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور میرے دل کو یقین سے بھر دیا اور میں

دوسرے دن صبح صبح اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھیں اپنے پورے معاملے کے بارے میں بتایا، انھوں نے بھی دعا فرمائی کہ میرا دل اس دین پر مطمئن ہو جائے۔''[1]

اس طرح سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام مکمل ہو گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے سچے پیروکار بن گئے۔ اب قریش کو یقین ہو گیا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ ضرور اپنے بھتیجے کا بھرپور دفاع کریں گے اور یوں قریش اپنی کافی ساری حرکتوں سے باز آ گئے جو وہ آپ ﷺ کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھے۔

اسی دوران میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ارقم بن ابی ارقم کے گھر کا راستہ بھی دیکھ لیا جو کہ اسلام کا پہلا مدرسہ بنا اور جہاں سے کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دین و دنیا کا وہ لازوال اسلامی دستور سیکھ رہے تھے، جو بندے اور اس کے نفس کے درمیان، بندے اور معاشرے کے مابین، بندے اور اس کے رب کے بیچ تعلقات کو منظم اور مضبوط کرتا ہے۔

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس گھر کی جانب آئے تھے اور آ کر غصے سے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا تو اندر ان کی آواز سن کر بعض لوگوں کے دل جب دہل گئے تھے تو حمزہ رضی اللہ عنہ ہی نے سب سے پہلے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا اور حاضرین سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں، اگر عمر ہمارے ساتھ خیر کا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اس کا بہترین استقبال کریں گے اور اگر وہ ہمارے ساتھ برائی کا ارادہ لے کر آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیں گے۔

پھر حمزہ رضی اللہ عنہ دین کے فقہی مسائل اور رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں بیٹھنے کی طرف

[1] رجال حول الرسول: 40/1.

متوجہ ہوئے، آپ کی باتیں سنتے اور ان کے متعلق سوالات کرتے، ہر لحظہ رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی طرف ہمہ تن گوش رہتے، مبادا ان سے کوئی چیز رہ جائے، جب بھی کچھ جان لیتے تو مزید جاننے کا شوق ستانے لگتا۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ مجلس رسول میں ان کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تو اپنی ایک خواہش کا اظہار کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں، آپ نے جواب دیا: آپ ان کو ان کی اصل صورت میں دیکھ نہیں پائیں گے۔ انھوں نے اصرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی جگہ بیٹھے رہیں۔'' اور بتایا کہ جبریل علیہ السلام کعبے میں اس لکڑی پر اترے ہیں جس پر مشرک لوگ طواف سے قبل اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہیں، پھر فرمایا: ''اپنی نگاہ اٹھائیں اور دیکھیں حمزہ رضی اللہ عنہ نے جوں ہی نگاہ ڈالی تو ان کے سبز زمرد جیسے پاؤں پر نظر پڑی اور نظر پڑتے ہی غش کھا کر بے ہوش گر پڑے۔''

بعد ازاں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کبھی کوئی فضول سوال نہ کیا، صرف وہی سوال کرتے جس کا تعلق ان کے دین سے ہوتا۔ [1]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے خیر کا ارادہ کیا اور اپنے رسول ﷺ کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، پھر آپ ﷺ نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں ہجرت کی اور پھر لوگوں نے بھی ہجرت کرنا شروع کر دی لیکن انھوں نے آپ ﷺ کی معیت اور ساتھ کو ترجیح دی تاکہ آپ ﷺ کے قریب رہ سکیں اور آپ ﷺ کے ارشادات سن سکیں اگرچہ اس میں انھیں اپنے گھر بار اور اولاد و مال

[1] طبقات ابن سعد: 12/3.

چھوڑنے پڑے مگر انھوں نے آپ ﷺ اور اسلام کی خاطر اس سے بھی گریز نہ کیا۔

ابتدائی مہاجرین میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شامل تھے، مدینے میں انھوں نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر اپنا سامان رکھا اور رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی بنا دیا۔[1]

مسلمان مدینہ میں بسنے لگے، اپنی نئی زندگی میں وہ جس جس چیز کے محتاج تھے انصار نے انھیں میسر کی، وہاں ان کی قیادت عمل میں آئی جو ان کی راہبری اور راہنمائی کرتی اور ان کے لیے پلان تیار کرتی اور اس قیادت کی ذمہ داری تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ قریش پر دھاک بٹھانے کے لیے ان کی طرف چھاپہ مار دستے بھیج کر اور ان کے علاقوں میں جاسوس داخل کر کے، ان کی شان وشوکت کو توڑنے اور ان کی تجارت کو ان پر تنگ کرنے کے لیے کوئی لائحۂ عمل تیار کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس مقصد کے لیے جو سب سے پہلے جھنڈا باندھا وہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے لیے باندھا، انھیں مقامِ عیص میں سیف البحر کی جانب تیس مہاجر سوار دے کر روانہ کیا، ان میں ایک بھی انصاری نہیں تھا۔ وہاں ساحل پہ ان کا ابوجہل ابن ہشام سے سامنا ہوا جس کے ساتھ مکہ کے تین سو سوار تھے، قریب تھا کہ لڑائی ہو جاتی اور تلوار مومن اور کافر کے درمیان فیصلہ کر دیتی لیکن مجدی بن عمرو الجہنی ان کے درمیان آگیا اور اس نے لڑائی نہ ہونے دی۔

اسی کی منظر کشی کرتے ہوئے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اشعار کہے:

[1] المعجم الكبير للطبراني: 230/3، و تاريخ الإسلام للذهبي: 493/2.

’’اللہ کے رسول ﷺ کے حکم سے جو ایسا علم بلند کرنے والے ہیں کہ ان سے پہلے کسی نے بلند نہیں کیا۔

وہ ایسا جھنڈا ہے جسے عزت والے معبود، غالب (اللہ) کی مدد حاصل ہے اور اس کا کام سب سے بہترین کام ہوتا ہے۔

جب ہم (دونوں لشکروں) نے ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھا تو انھوں نے اپنی سواریاں بٹھا کر ان کے گھٹنے باندھ دیے اور ہم نے بھی تیر گرنے کی مسافت کے بقدر دور اپنی سواریاں بٹھا دیں۔

ہم نے ان سے کہا: ہماری مدد پر تو اللہ ہے اور تم سراسر گمراہی میں ہو۔

وہاں ابوجہل سرکش ہوکر بھڑکا، وہ نامراد ہوا۔ اللہ نے اس کے مکر کو دور کر دیا![1]

یہ حادثہ کس بات پر دلالت کرتا ہے اور کس جانب اشارہ کرتا ہے؟

یہ بتاتا ہے کہ حقیقت میں مہاجرین اپنا دین لے کر اپنے رب کی طرف نکلے تھے، ان کی ہجرت اپنی سلامتی، جسم وجان کی حفاظت، بہترین اور آسودہ زندگی کی تلاش میں نہیں تھی۔ ان کے لیے یہ سب چیزیں کسی شمار میں نہیں تھیں، ان کی ہجرت کا تو مقصد تھا کہ ان کفار و مشرکین پر رعب طاری کرنے کے لیے، جو اللہ کے راستے میں رکاوٹ ہیں، ایک مضبوط قوت تیار کی جائے۔

یہ چھوٹا سا لشکر، جو قریش کی قوت اور طاقت کو چیلنج کرتا ہوا نکلا اور اس کی سرکشی اور تلواروں پر جھپٹ پڑا، اشارہ کرتا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک زندگی کی اس سے بڑھ کر کوئی قیمت نہ تھی کہ وہ اللہ کے دین کو پھیلانے کے کام آسکے ورنہ ان تیس سواروں

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 597/2.

نے، جو تین سو پر جھپٹ پڑے، کیا سوچا ہوگا؟ کہ وہ لشکر جو تعداد اور تیاری میں مکمل ہے، تلواروں اور زرہوں سے لیس ہے، اس پر حملہ؟ یہ تو بڑی خطرناک لڑائی تھی۔

دراصل یہ ایمان ہی ہے جو انسان کو قوت بخشتا ہے کہ اسے کسی کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی انسان سے ڈرتا ہے۔ خوف ان میں آئے بھی تو کیسے؟ ان کے دل کمزور ہوں تو کیسے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾

”اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی جو مومنوں میں سے آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ اے نبی! مومنوں کو جہاد پر ابھاریں۔ اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک سو (صابر) ہوں تو وہ ہزار (کافر) پر غالب آئیں گے، اس لیے کہ وہ لوگ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی اور اس نے جان لیا کہ تمھارے اندر کچھ کمزوری ہے، چنانچہ اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار (ایسے) ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے

اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" [1]

قریش کو یہ بات کسی صورت برداشت نہیں تھی، وہ تو اس دین کا سر کچلنے کو تھے، وہ سب چھوٹے بڑے پوری طاقت کے ساتھ آئے تاکہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھ والے مہاجرین کا فیصلہ تمام کر دیں اور آ کر مقام بدر کے چشمے کے پاس ٹھہر گئے۔ ادھر سے مسلمان بھی نکلے جو تعداد اور تیاری میں ان سے کہیں کم تھے لیکن دشمن کی نگاہ میں ان کو زیادہ دکھائی دے رہے تھے، اللہ کی حفاظت ان کی نگہبانی کر رہی تھی اور نیک فرشتے ان کی پشتوں پر تھے۔ مسلمانوں نے آتے ہی پانی پر قبضہ کر لیا اور قسم کھائی کہ کسی کافر کو اس سے پانی کا گھونٹ بھی نہیں دیں گے۔

اسود بن عبد الاسد مخزومی ایک اکھڑ، بدمزاج اور بداخلاق آدمی تھا، قریش کی صفوں سے یہ کہتا ہوا نکلا: "میں اللہ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس حوض کا پانی ضرور پیوں گا وگرنہ اسے گرا دوں گا یا مر جاؤں گا۔"

جیسے ہی وہ پانی کی جانب بڑھا آگے سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جلوہ آرا ہوئے، جب آمنا سامنا ہوا تو حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار ماری اور نصف پنڈلی اڑا دی وہ حوض سے پیچھے ہی پیٹھ کے بل جا گرا اور اس کی ٹانگ سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا، پھر وہ حوض کی جانب گھسٹا اور اس میں جا گرا ابھی وہ اپنے داہنے ہاتھ سے پانی پینا ہی چاہتا تھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اسے حوض ہی میں قتل کر دیا۔

اس اسود بن عبد الاسد مخزومی، شیطان کی جماعت کے ایک کارندے نے اپنا انجام پالیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو مکہ سے تکبر اور ناموری کی خاطر نکلے تھے تاکہ عرب ان کے

[1] الأنفال 8:64-66.

کارنامے سنیں اور ان کی قوت وشجاعت کا تذکرہ کریں۔ اللہ نے انھیں وہاں سے پکڑا جہاں سے ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ بعض تو بدر کے پانی کے پاس ہی پچھاڑ دیے گئے اور بعض ذلیل و خوار ہو کر واپس لوٹے۔ اور ہزیمت خوردہ مکہ کی جانب بھاگتی لشکر کی ٹولیاں بول بول کر کہہ رہیں تھیں کہ اللہ ہی کا لشکر غالب ہے۔

میدان بدر میں اللہ کے شیر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے دشمنوں کو تتر بتر کرنے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں اپنا بھرپور حصہ ڈالا اور اس دن انھوں نے اللہ کی رضا کے لیے، جو کفار کے بڑے بڑے سرغنے قتل کیے، وہی ان کے لیے کافی ہے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے سواروں میں سے نامور شہسوار شیبہ بن ربیعہ کو قتل کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اس کے بھائی عتبہ بن ربیعہ کو بھی قتل کیا۔ جب معرکۂ بدر اپنے اختتام کو پہنچا، جس میں انھوں نے بعض راویوں کے بقول بیک وقت دو تلواروں سے لڑ کر داد شجاعت دی تھی تو اس سے مومنوں کی آنکھوں اور دلوں کو بے حد ٹھنڈک پہنچی اس معرکے کے بعد سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے آرام و راحت کی فکر نہیں کی بلکہ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کے کانوں کو اپنے بہادری بھرے اشعار کی طرف مبذول کر کے ان کے جذبات گرمانے لگے اور اس مبارک دن پر فخر کرنے لگے:

''یہ لوگ اپنی گمراہی میں قتل کر دیے گئے۔

اور اپنے جھنڈے کو بے یار و مددگار ہزیمت خوردہ چھوڑ گئے۔

وہ گمراہی کا جھنڈا تھا، ابلیس نے اپنے چیلوں کی قیادت کی اور انھیں فتنے میں ڈال دیا، بلاشبہ خبیث نے دھوکا دیا۔

جب اس نے سب کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا تو کہنے لگا: میں تم سے بری ہوں،

میں یہاں رک نہیں سکتا۔

''جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے، مجھے تو اللہ سے ڈر لگ رہا ہے، وہ بڑی طاقت والا ہے۔'' [1]

کوئی شک نہیں کہ معرکۂ بدر مسلمانوں کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس میں شرک رسوا ہوا، جہالت ذلیل ہوئی اور قریش کے سر میں راکھ پڑ گئی۔

قریش آئندہ کے لیے تیاری میں مصروف ہو گئے اور لوگوں کو اس دن کا بدلہ لینے کے لیے جمع کرنے لگے تاکہ اپنی کھوئی عزت بحال کر سکیں حتی کہ وہ اُحد کا دن آ پہنچا جسے قریش ہی نے مقرر کیا تھا تاکہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ملیا میٹ کر دیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر حمزہ رضی اللہ عنہ کو کہ جنھوں نے ان کے بہادروں کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا، ان کا ہدف واقعتاً حمزہ ہی تھے کیونکہ لڑائی کے لیے نکلنے سے پہلے جو ان کی باتیں سنتا تھا اور ان کے مشوروں میں شریک ہوتا تھا وہ جانتا تھا کہ محمد ﷺ کے بعد حمزہ رضی اللہ عنہ ہی ان کی جنگ کا بنیادی مقصد اور ہدف تھے۔

اور نکلنے سے پہلے انھوں نے حمزہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ خصوصی طور پر ایک شخص کے حوالے کیا اور وہ تھا ایک حبشی غلام جسے نیزہ پھینک کر قتل کرنے میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی، انھوں نے سارے معرکے میں اس کی صرف یہی ذمہ داری لگائی تھی کہ بس کسی نہ کسی طرح حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے اور اپنے نیزے کے ایک قاتلانہ وار سے انھیں ختم کر ڈالے۔ انھوں نے اسے اس کے بدلے گراں قدر اور قیمتی انعام دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اور وہ انعام تھا اس کی آزادی۔ اس آدمی کا نام وحشی بن حرب تھا اور یہ جبیر بن مطعم کا

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 10/3.

غلام تھا، جبیر کا چچا طعیمہ بدر کے میدان میں اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا جبیر نے اس سے کہا: لوگوں کے ساتھ نکل جا اور اگر تو حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے گا تو تو آزاد ہے۔''[1]

پھر اسے ہند بنت عتبہ جو ابوسفیان کی بیوی تھی، اس کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس کے جذبات کو مزید ابھار سکے اور اسے ہدف تک پہنچنے میں اور مزید تیار کرے۔

اس ہند نے بدر میں اپنا باپ، چچا، بھائی اور بیٹا گنوائے تھے اور اسے کسی نے بتایا تھا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر حمزہ ہی نے قتل کیے ہیں بلکہ ان کے علاوہ کئی دیگر بھی انھی کے ہاتھ سے بھینٹ چڑھے ہیں۔

بے شمار قریشی مرد اور عورتیں صرف اس وجہ سے میدان جنگ میں جانے کے لیے جذباتی تھے کہ کچھ بھی ہو جائے، ہمیں میدان جنگ میں جو بھی قیمت چکانی پڑے لیکن حمزہ رضی اللہ عنہ کا سر ہمیں ملنا چاہیے۔

لڑائی کے لیے نکلنے سے چند ایام پہلے ہند کا صرف یہی کام تھا کہ اپنا سارا بغض اور کینہ وحشی کے سینے میں اتار دے اور اسے اس کے عزم میں پختہ کر دے۔

اس نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو عورت ذات جس قدر متاع و زیورات کی مالک ہوتی ہے اس سے بڑھ کر اسے دے گی اور اس نے اپنی بغض سے بھری انگلیوں سے اپنے موتیوں والے اور سونے کے قیمتی ہاروں کو جو اس کی گردن کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے تھاما، پھر بڑے غور سے وحشی پر نظریں گاڑتے ہوئے گویا ہوئی: یہ سب تمھارا ہے اگر تم حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دو تو!

قریش اپنے مرد، عورتیں، جوان اور تمام سوار ہمراہ لیے آپہنچے جو بھرپور تیاری اور

[1] صحيح البخاري، حديث:4072.

اسلحے سے لیس تھے اور ان کے دل بغض کی آگ سے بھرے پڑے تھے۔

بالآخر دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں، جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے، حمزہ رضی اللہ عنہ بھی آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے، اسی دوران میں قریش کے کافروں میں سے سباع بن عبدالعزیٰ ان کے پاس سے گزرا، اس کی کنیت ابو نیار تھی، حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے للکارا: او ختنہ کرنے والی کے بیٹے! آ مجھ سے مقابلہ کر۔ اس کی ماں ام انمار مکہ میں ختنے کیا کرتی تھی، دونوں گتھم گتھا ہوئے تو حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے وحشی کا بیان ہے: بخدا! میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی تلوار سے لوگوں کو گرائے جا رہے ہیں، جیسے ہی سباع ان کے پاس سے گزرا تو انھوں نے اسے للکارا: او ختنہ کرنے والی کے بیٹے! آ مجھ سے مقابلہ کر اور پھر اسے ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کا سر اڑا کر رکھ دیا۔ ادھر میں نے اپنے نیزے کو حرکت دی اور شست لے کر ان کی طرف پھینک دیا، وہ ان کے پیٹ کے نچلے حصے سے آر پار ہوتا ان کی دونوں ٹانگوں کے درمیان سے نکل گیا، وہ میری طرف لپکے مگر نڈھال ہو کر گر پڑے۔ میں انھیں دیکھتا رہا حتی کہ وہ فوت ہو گئے، میں ان کی نعش کے پاس آیا، اپنا نیزہ لیا اور اپنے لشکر کے پڑاؤ کی جگہ پر آ گیا۔ اور مجھے اس کے علاوہ وہاں کوئی کام تھا ہی نہیں۔[1]

لوگوں اور شہیدوں کے سردار اپنے رب اور اپنے دین کا حق ادا کر کے شہید ہو گئے اور سوگواروں میں ایک بیوہ اور ایک بیٹی چھوڑ گئے۔

ان کی زوجہ سلمیٰ بنت عمیس خثعمیہ تھیں، انھیں شرف صحبت حاصل تھا۔ یہ ان

---

[1] تفسیر الطبري، واصله، في البخاري، حديث:4072.

خواتین میں سے تھیں جن کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا تھا: ''یہ تمام بہنیں ایماندار ہیں۔''

حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شداد بن اسامہ لیثی نے ان سے نکاح کر لیا۔ [1]

ان کی بیٹی عمارہ تھیں جوان کے بعد مکہ ہی میں رہیں، جب عمرہ قضا ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی کہ ہم اپنی چچیری بہن کو مشرکین کے درمیان کیوں چھوڑ کر جائیں؟

نبی ﷺ نے انھیں ساتھ لے جانے سے منع نہیں کیا، وہ انھیں لے کر جانے لگے تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جن کے لیے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی، بول پڑے کیونکہ نبی ﷺ نے ان کے اور حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا تھا۔

وہ کہنے لگے: اس پر میرا زیادہ حق ہے، یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، یہ میرے ساتھ رہے گی اور میرے گھر میں رہے گی۔

جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو کہنے لگے: خالہ والدہ کی جگہ ہوتی ہے، میں اس کا زیادہ حق دار ہوں کیونکہ اس کی خالہ اسماء بنت عمیس میرے گھر ہے۔

دوسری طرف سے علی رضی اللہ عنہ بولے: میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ تم میری چچا زاد کے بارے میں جھگڑ رہے ہو، مشرکوں کے درمیان سے میں اسے نکال کر لایا ہوں اور اس کے ساتھ جتنا میرا قریبی نسب ہے کسی کا بھی نہیں ہے، میں تم سب سے زیادہ اس کا حق دار ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ سب سنا تو فرمایا: ''آپس میں مت جھگڑو، میں تمھارے

[1] المستدرك للحاكم: 688/3.

درمیان فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ اے زید! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دوست ہو۔ علی! تم میرے دوست اور ساتھی ہو۔ جعفر! تم شباہتاً اور اخلاقاً مجھ جیسے ہو اس لیے جعفر تم اس کے حق دار ہو کیونکہ اس کی خالہ تمھارے گھر ہے اور کوئی لڑکی کسی گھر میں اپنی خالہ اور پھوپھی کے ہوتے ہوئے اس گھر میں نہیں بیاہی جاسکتی۔ آپ ﷺ نے اس کا فیصلہ جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں کر دیا۔

محمد بن عمر کہتے ہیں: جعفر رضی اللہ عنہ خوشی کے مارے رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد ایک پاؤں پر اچھل اچھل کر چکر لگانے لگے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: ''جعفر! یہ کیا کر رہے ہو؟ کہا: ''اے اللہ کے رسول! جب نجاشی کسی شخص کو راضی اور خوش کر دیتا تو وہ (شخص) اس کے ارد گرد اسی طرح چکر لگاتا تھا۔

بعد ازاں نبی ﷺ سے کہا گیا کہ آپ اس سے شادی کرلیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نکاح سلمہ ابن ابی سلمہ کے ساتھ کروا دیا اور آپ کہا کرتے تھے:

اللہ تعالیٰ سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ سے راضی ہو اور انھیں ان کی دینی خدمات اور رب کی شریعت کو پھیلانے کی خاطر محنتوں کے بقدر اپنی وسیع جنت میں جگہ نصیب فرمائے۔ [1]

[1] الطبقات الكبرىٰ: 8/3، و صحيح البخاري، حديث: 4251، و دلائل النبوة للبيهقي: 304/4.



آیات کا سبب نزول

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''جب مشرکین احد کے میدان سے چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ نے دل آزار انتہائی غمگین منظر دیکھا، دیکھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر دیا گیا ہے، ناک کاٹ دی گئی ہے اور کان بھی جدا کر دیے گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ بات عورتوں کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہوتی اور یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ میرے بعد اسے سنت جاریہ ہی بنالیں گے تو میں ان کی نعش کو ایسے ہی چھوڑ دیتا حتی کہ اللہ تعالیٰ انھیں قیامت کے روز درندوں اور پرندوں میں سے اکٹھا فرماتا اور میں اکیلے حمزہ کے بدلے ان کے ستر آدمی قتل کرتا، پھر آپ نے ایک چادر منگوائی اور اس سے ان کے چہرے کو ڈھک دیا مگر چادر چھوٹی ہونے کے سبب ان کے پاؤں باہر رہ گئے تو آپ ﷺ نے ان کے پاؤں کے اوپر اذخر گھاس ڈال دی۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں سامنے رکھا اور ان پر دس تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ ادا فرمائی، پھر کسی اور شخص کی میت لائی جاتی اس پر جنازہ ہوتا پر حمزہ رضی اللہ عنہ کو وہیں رہنے دیا جاتا حتی کہ آپ ﷺ نے اسی طرح ان پر ستر نماز جنازہ ادا کیے۔ اس دن ستر افراد شہید ہوئے تھے۔ جب وہ سب دفن کر دیے گئے اور لوگ ان سے فارغ ہوئے تو یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾

''(اے نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔ بے شک آپ کا رب ہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید ہوئے دیکھا تو آپ کے دل میں اس سے بڑھ کر کسی چیز کا صدمہ نہ تھا، آپ نے انھیں یوں پڑا دیکھ کر فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں ضرور تمھارے ایک کے بدلے ان کے ستر آدمی قتل کروں گا۔''

تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف پہنچی ہو اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے لیے بہت بہتر ہے۔''[2]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ہمارے رب! ہم صبر کریں گے۔''[3]

''مفسرین لکھتے ہیں: جب مسلمانوں نے اُحد کے دن اپنے مقتولوں کے ساتھ مشرکین کا وحشیانہ برتاؤ دیکھا کہ انھوں نے مقتولین کے پیٹ چاک کر دیے، شرم

---

[1] تفسير القرطبي، النحل 125:16. [2] النحل 126:16. [3] الدر المنثور، النحل 126:16.

گاہیں کاٹ دیں اور ان کے ساتھ درندانہ سلوک کیا ہے تو کہنے لگے: اب اگر اللہ نے ہمیں ان پر فتح دی تو ہم ان سے بڑھ کر ان کے مقتولین کا مثلہ کریں گے کہ عرب میں کسی نے ویسا مثلہ نہ کبھی کیا ہوگا اور نہ کبھی دیکھا ہوگا اور ہم یہ کام ضرور کریں گے۔

''رسول اللہ ﷺ اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس غم وحزن کے عالم میں کھڑے تھے کہ ان کافروں نے آپ رضی اللہ عنہ کے کان ناک کاٹ دیے تھے، پیٹ چاک کر دیا تھا اور ہند بنت عتبہ نے ان کے جگر کا ٹکڑا کاٹ کر منہ میں ڈال کر چبایا، پھر نگلنا چاہا مگر ایسا نہ کر سکی، جب نبی ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ اسے نگل جاتی تو کبھی آگ میں نہ جاتی۔ اللہ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی تکریم کی اور حرام کر دیا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ آگ میں جائے۔ اس دن حمزہ کو دیکھنے کے بعد آپ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی تکلیف نہ تھی، آپ نے فرمایا: ''چچا! آپ پر اللہ کی رحمت ہو! جہاں تک میں آپ کو جانتا ہوں، آپ صلہ رحمی کرنے والے اور بہت نیکیاں کرنے والے تھے۔ اگر بعد والوں کا خیال اور ان کے غم کی فکر نہ ہوتی تو میں چاہتا تھا کہ میں آپ کو ایسے ہی چھوڑ دیتا حتی کہ قیامت کے دن آپ کو مختلف پیٹوں سے جمع کیا جاتا، اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے ان پر فتح دی تو میں آپ ایک کے بدلے ان کے ستر افراد کا مثلہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝﴾

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف پہنچی ہو اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے لیے بہت بہتر ہے۔''[1]

[1] الطبقات الكبرىٰ: 3/14، 13، و النحل 16: 126.

تو نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں، ہم صبر کریں گے اور آپ اپنے ارادے سے باز آ گئے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔[1]



[1] الضعیفة 28:2، و تفسیر الخازن، النحل 126:16.

اسباق وفوائد

اُحد کے معرکے میں حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کے اہداف میں سے ایک بڑا اہم ہدف تھے حتی کہ قریش نے اس لڑائی میں نکلنے سے پہلے اور اس کے لیے لشکر جمع کرنے سے پہلے اس پہلوان کو قتل کرنے کے متعلق مشورے اور تدبیریں لڑائیں کہ جو بھی قیمت چکانی پڑے اس شیر کو ضرور ٹھکانے لگانا ہے۔

جو شخص بھی حمزہ رضی اللہ عنہ کا سر لائے گا اسے وعدے دیے جا رہے تھے، امیدیں دلائی جا رہیں تھیں حتی کہ قریش کی ایک عورت بھی اس منحوس مجلس کی شریک تھی، حسد سے بھری اور بھپری کافرہ عورت جس نے اپنا سب سے قیمتی متاع، زیور اور جواہرات بھی اس شخص کو پیش کرنے کا وعدہ کیا جو پتھروں کو ریزہ ریزہ کرنے والے اور بڑے بڑے شاہسواروں کو گرا دینے والے کے گرنے کی خبر لائے گا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ ہی کیوں خاص نشانے پر تھے؟

غزوۂ بدر میں ان کے کارنامے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی زیادہ منفرد نہیں تھے۔

کیا یہاں کوئی ایسی خاصیت تھی جو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کے دوسرے بہادروں سے جدا کرتی تھی؟

دراصل حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اللہ کی طرف دعوت کے لیے ہبہ کر دیا تھا اور اس

کی نصرت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اور اللہ نے انھیں ایسی صلاحیتوں سے نوازا تھا جو ان جلیل القدر مہمات کا حق ادا کرنے میں ان کی ممد اور معاون تھیں۔

وہ بات جس سے دشمن اپنی زندگیوں اور مراکز کو خطروں کی زد میں دیکھتے تھے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ان کی طاقت کو چھوتا تھا، وہ اکیلی ایسی قوت تھی جو ان کے جتھوں کو تتر بتر کرنے اور ان کے بہادروں کے منہ موڑنے کے لیے اکیلی ہی کافی تھی، اس کا کوئی کچھ بگاڑ سکتا تھا اور نہ اس کے سامنے ڈٹ سکتا تھا۔

جب تک معاملہ ایسے رہتا، دعوت اسلام ضرور پھیلتی اور اس کے مبلغ اس وسیع زمین پر جہاں چاہتے چلے جاتے اور طاغوتوں کو کچلنا انتہائی آسان اور اپنے لیے معاون تلاش کرنا بالکل سہل ہوتا۔ یہی چیز تھی جو کفر و شرک اور الحاد کے سرغنوں کا درد سر بنی ہوئی تھی۔

جب قدیم جاہلیت، جو بتوں کی پجاری اور رحمٰن کی منکر تھی، اپنی جمعیت اکٹھی کر کے اپنی طاقت کو یکجا کر کے مکمل انتظام و انصرام سے مقابلہ کر کے حمزہ رضی اللہ عنہ کو ختم کر سکتی ہے تو بالکل اسی طرح تاریخ کے ساتھ ساتھ ہر زمان و مکاں میں اسلام کے لیے حمزہ رضی اللہ عنہ ختم نہیں ہوئے جو اپنا نفس اسلام کے لیے ہبہ کر دے، اپنی روح کو اللہ کے رستے میں فروخت کر دے، دین کے دشمنوں کو دہشت زدہ کرے، اپنے ارد گرد مسلمانوں کی بکھری ٹولیوں کو دوبارہ اکٹھا کر لے اور دشمنوں کے یوں آڑے آجائے کہ اسلامی ممالک سے وہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ لے پائیں جیسا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

ایسے موڑ پر آ کر کفر کی عصبیت اپنی مصلحتوں کو خطروں میں گھرا، اپنے عقائد اور

گمراہیوں کو تباہ ہوتا دیکھتی ہے تو پھر اسے ختم کرنے کے لیے اپنا ہتھیار تیز کر لیتی ہے یا اس کے اخلاق و دین پر نقب لگانے کی کوشش کرتی ہے۔

چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج تک بعض (غیر مسلم) اسلام اور مسلمانوں سے حسد رکھنے والی قومیں وہی اسلوب اور بالکل اسی انداز کا اسلحہ استعمال کر رہی ہیں جو قدیم میں انھوں نے آزمایا تھا۔

دشمن خاموش نہیں ہوا بلکہ وہ ایک نئے حملے کی تیاری کر رہا ہے اور ان کا زہر آلود تیر اس عنقا انسان کے دل میں پیوست بھی ہو چکا جس نے بکھرے مسلمانوں کو ایک لشکر کی صورت میں جمع کرنے کی ندا دی۔

ملک فیصل شہید کر دیے گئے جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تنازعات و اختلافات کا دفاع کیا۔

حمزہ رضی اللہ عنہ کے بعد زمین بے شمار شہیدوں کے خون سے رنگی گئی جنھوں نے اپنی روحیں اللہ کے رستے میں وقف کر دیں تھیں، ان تمام دکھوں اور تکلیفوں کے بعد کہ انھوں نے بڑے بڑے اسلام کے نایاب ہیرے قتل کر دیے۔ ہم یقین کے ساتھ افق سے ایک نئی فجر کے منتظر ہیں۔ ایسی فجر جو ہمیں ایک نیا حمزہ دے گی جو اسلام کا نور پھیلائے گا، امن قائم کر دے گا، اسلام اور ایمان کا محافظ ہوگا حتی کہ لوگ اللہ کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔

ایسا نصیب والا کون ہوگا؟

ہم انتظار کر رہے ہیں۔



ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ
الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ
اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

”(اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا کنبہ قبیلہ ہو۔ یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ ان کی تائید کی ہے، وہ انھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔ جان لو! بے شک (جو) اللہ کا گروہ ہے وہی فلاح پانے والا ہے۔“ [1]

[1] المجادلة 22:58.

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

ابن الجراح.......... کون ہیں؟ اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے میں ان کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟

یہ وہی سالار ہیں جنھوں نے فتح وکامرانی کے الفاظ سے لوگوں کے کانوں کو خوب اچھی طرح روشناس کروایا، یہ وہ انسان ہیں جنھوں نے دنیا اور اس کی جھوٹی چکا چوند کو مسخر کیا اور اپنی جان کو موت کی تلاش میں پر خطر معرکوں کے حوالے کیا لیکن وہ ہمیشہ ہی انھیں زندگی کی نوید سناتے رہے۔

بہت طاقتور اور انتہائی امانت دار، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران والوں کا استاد اور امین بنا کر بھیجا، عشرہ مبشرہ میں سے ایک اور ایسے قائد جنھوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان کی زندگی کے آخری ایام تک اس کے لشکروں کے بیچ بسر ہوں اور اللہ نے ان کی آرزو پوری فرمائی۔

یہ اس امت کے امین اور کلمۂ توحید کو (ملکِ) شام اور اس کے گردونواح میں پروان چڑھانے والے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے اہم پہلو ہیں۔

ان کا جسمانی حلیہ جیسا کہ راوی بیان کرتے ہیں: ''وہ نحیف سے چہرے پر خفیف سی ڈاڑھی سجائے دراز قد کاٹھ کے مالک تھے، اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو مہندی

سے رنگتے تھے۔ [1]

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آتا ہے اور آکر سوال کرتا ہے: ابن الجراح رضی اللہ عنہ کیسے تھے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ''اللہ ان پر رحم فرمائے! وہ کھلتے چہرے والے، بہترین اخلاق کے حامل اور بہت زیادہ شرم وحیا والے تھے۔

ہم چاہتے تو تھے کہ ان کے ابتدائی ایام جو انھوں نے اپنے لڑکپن میں اپنے ہم جولیوں کے ساتھ گزارے، ان پر روشنی ڈالیں مگر تاریخ ان کی چڑھتی جوانی کے واقعات سے خاموش ہے۔

لیکن وہ تاریخ، جو اہتمام سے آپ کے بچپن کو تو محفوظ نہ کر سکی تھی، ارقم بن ابی ارقم کی جانب آپ کے بڑھتے قدموں کو ہمارے لیے محفوظ کرتے ہوئے اچانک سامنے آکھڑی ہوتی ہے کہ جب آپ اس مومن جماعت میں شامل ہونے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے، جس (جماعت) نے اسلام کو دین کے طور پر اور اللہ کے رب ہونے کو اختیار کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول مانا۔

ابن الجراح رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین میں شامل ہیں۔ اور اسلام کے پہلے مبلغین اور داعیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

صاحب طبقات لکھتے ہیں: ''عثمان بن مظعون، عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب، عبد الرحمٰن بن عوف، ابو سلمہ بن عبد الاسد اور ابو عبیدہ بن جراح اکٹھے ہو کر نکلے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا اور انھیں شریعت کے متعلق آگاہ کیا تو یہ سب ایک ساتھ اسلام لے آئے۔ یہ واقعہ دار ارقم میں

---

[1] البداية والنهاية: 92/7، و الطبقات الكبرىٰ: 3/114، 115.

داخل ہونے سے پہلے کا ہے، ابھی آپ ﷺ نے وہاں دعوت کا سلسلہ شروع نہیں کیا تھا۔ [1]

اس تاریخ کی رو سے یہ ایک نئے انسان میں ڈھل گئے، جس کا پہلے انسان سے کوئی تعلق نہیں تھا، جو قریش کی جہالتوں میں رہا، ان کے بتوں کی عبادت و تقدیس کرتا رہا اور ان کے نظریات میں ڈوبا ہوا تھا۔

جب قریش نے ان کا جینا حرام کر دیا اور مومن جماعت کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور انھیں طرح طرح کے عذاب دینا شروع کر دیے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اس پہلی جماعت میں شامل تھے جنھوں نے اپنا دین بچانے کی خاطر اپنے رب کے حکم کے مطابق ہجرت کی۔ حبشہ کے بادشاہ کی اتنی آؤ بھگت اور قرب کے ساتھ ساتھ ان کی اور ان کے اہل خانہ کی اتنی تکریم اور ان پر اتنے مال لٹانے کے باوجود یہ تمام چیزیں اس چیز کا بدل نہ بن سکیں جو ان کے کانوں کو سکون اور ان کے دلوں کو آیات کے نزول کے ذریعے سے تازگی بخشتی تھی، ہم دیکھتے ہیں کہ جب ان کو یہ خبر دی گئی کہ محمد ﷺ اور قریشیوں کے مابین صلح ہو گئی ہے، وہ فوراً ہی واپس لوٹ آئے، انھیں اتنی خوشی ہوئی کہ انھیں اس بات کی تحقیق کرنا ہی یاد نہ رہا لیکن جب وہاں پہنچے تو قریش نے انھیں پہلے سے بھی زیادہ اذیتوں اور تکلیفوں سے دو چار کیا۔

ابن جراح رضی اللہ عنہ مکہ میں زیادہ دیر قیام پذیر نہیں رہے کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ کے یثرب کی طرف ہجرت کے دن آ گئے تا کہ یہ مبارک شہر اسلام اور مسلمانوں کے

[1] الطبقات الكبرىٰ: 409/3، و تاريخ دمشق: 77/4.

لیے قلعے کا کام دے سکے اور اس سے ایسے لوگ نکل کر پوری زمین پر پھیل جائیں جو اللہ کے بندوں کو اس کی طرف بلائیں اور تمام بشریت کو کلمۂ توحید اور اس اکیلے واحد، احد اور بے نیاز کی طرف دعوت دیں۔

یثرب کی طرف پھیلے لق ودق صحرا نے ایک سوار کو دیکھا جس نے اپنے گھوڑے کی باگ کو ڈھیلا چھوڑ رکھا ہے اور چاہتا ہے کہ ہواؤں سے بھی آگے نکل جائے اور زمین اس کے نیچے سمٹ جائے تاکہ جلد از جلد وہ مومنوں کے قافلے سے مل جائے۔ یہ سوار ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، پہنچنے کے بعد جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو حاضر ہوئے تو کثرت غبار اور سفر کی تکان کے اثرات سے ان کا چہرہ پہچانا نہیں جا رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خوش آمدید کہا اور بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔'' ان کے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات کا رشتہ قائم کر دیا۔[1]

ہاں! وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنھوں نے اپنی جان اپنا مال سب کچھ اسلام کے راستے میں قربان کر دیا اور یہودیوں کی عہد شکنی کے بعد ان کے ساتھ مصالحت کرنے سے انکار کر دیا، غزوۂ احزاب کے دن انھیں بہت گہرا زخم لگ گیا تو انھوں نے دعا کی: ''اے اللہ! میری روح اس وقت تک قبض نہ کرنا جب تک بنوقریظہ کے متعلق میری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کر دینا۔''[2]

اللہ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طلب فرمایا اور حکم دیا کہ بنوقریظہ کے متعلق فیصلہ کریں۔

---

[1] البداية والنهاية: 91/7، و تاريخ الإسلام للذهبي: 329/2. [2] جامع الترمذي، حديث: 1582.

فیصلہ:

ان کے مرد قتل کر دیے جائیں، ان کے بچے اور عورتیں غلام بنا لیے جائیں اور ان کے مالوں پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔

ان کا فیصلہ سننے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ان کے حق میں وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ نے ان کے لیے سات آسمانوں کے اوپر لکھ رکھا تھا۔'' [1]

حدیث میں آتا ہے: ''اگر کوئی قبر کے بھینچنے سے بچ سکتا ہوتا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس سے ضرور محفوظ رہتے۔'' [2]

جس دن سے ابن جراح رضی اللہ عنہ کے قدموں نے یثرب کی سرزمین کو چھوا، ان کے نفس و جان نے اسی دن سے بڑے بڑے کام اور بڑی بڑی مسئولیات سنبھالنا شروع کر دیں اور پھر ان کے اثرات تمام غزوات میں سامنے آئے، چاہے اس میں وہ اکیلے تھے یا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کسی ایک غزوے سے بھی پیچھے نہیں رہے۔

مثلاً غزوۂ بدر، اس میں ابن جراح رضی اللہ عنہ بڑے ثابت قدم، امیر کے مطیع اور مجاہد کی حیثیت سے سامنے آئے۔ وہ مومن تھے اور انھیں اللہ کی اس نصرت اور وعدوں پر یقین تھا جسکا اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا، معرکے کی نوعیت ان کے سامنے واضح تھی، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا۔

تمام مجاہد کلمہ توحید پکارتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے موجود تھے، اب یہی ان کے خاندان اور قبیلے والے تھے اور یہی ان کے دوست تھے اگرچہ ظاہری

---

[1] الطبقات الکبرٰی: 423,422/3، وشرح مشکل الآثار: 247/15. [2] الاستیعاب، ص: 316، وصحیح ابن حبان: 379/7.

طور پر آپس میں ان کی مسافتیں بڑی دور کی تھیں، ان کی نسلوں اور جنسوں میں بڑا تفاوت اور خون ونسب جدا جدا تھے۔

اور جو کوئی بھی قریش کے جھنڈے تلے لڑ رہا تھا یا ان کے ساتھ ملا ہوا تھا وہ ان کا دشمن اور ان کے عقیدے کا بَیری تھا، چاہے خاندان ونسب کے لحاظ سے وہ ان کا کتنا ہی قریبی کیوں نہیں تھا۔

انھوں نے اپنے عقیدے اور دین کو اس انداز سے سمجھتے ہوئے اپنے والد کو کافروں کی صفوں میں ہاتھ میں تلوار لیے لڑتے دیکھا کہ وہ ان کے قریبی مومنوں کو قتل کر رہا ہے اور جب قتل کرنے کے ارادے سے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے قریب ہوا تو کترا کر نکل گیا لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کیا اور موقع پاتے ہی اسے قتل کر دیا۔

............ان کا والد کافر تھا اور اپنے خالق کے ساتھ غیر اللہ کو شریک کرتا تھا۔

اس خالق کے ساتھ کفر کرتا تھا جس نے اسے پیدا کر کے متناسب انسان بنایا، اس لیے اس میں خیر نام کی کوئی چیز نہیں تھی، جس میں اپنے رب کے لیے کوئی خیر نہ ہو اس میں انسانیت کے لیے کہاں سے خیر ہو سکتی ہے؟

غزوۂ اُحد میں لڑائی بے حد بھڑک گئی، دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھیراؤ کر لیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دشمنوں کی کمانوں سے تیر نکل نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھ رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر آگے بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے لگے، انھوں نے دیکھا کہ آپ کا لہو مبارک آپ کے چہرۂ انور پر ٹپک رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں: "وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جنھوں نے اپنے نبی کے

چہرے کو خون سے رنگین کر دیا، حالانکہ وہ انھیں ان کے رب ہی کی طرف بلاتا تھا۔'' [1]

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اُحد کے دن ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے کارناموں کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ ہوا اور آپ کے خَود کی دو کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار میں پیوست ہو گئیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دوڑا تو ایک اور شخص بھی مشرق کی جانب سے اڑتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لپکا، میں نے اسے یوں تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا تو بے ساختہ میری زبان سے نکلا یا اللہ خیر کرنا، جیسے ہی ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے جو مجھ سے بھی پہلے پہنچ چکے تھے اور کہنے لگے: ابو بکر! میں اللہ کے نام سے تم سے سوال کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے یہ کڑیاں مجھے نکالنے دو، میں نے انھیں اجازت دے دی، انھوں نے اپنے نچلی کے دانتوں سے ان کڑیوں کو پکڑ کر کھینچا، ادھر وہ کڑی زمین پر گری، ساتھ ہی پیچھے ان کا دانت بھی ٹوٹ کر نیچے گر گیا، انھوں نے پھر دوسری جانب کے دانتوں سے دوسری کڑی کو کھینچا تو اس کے ساتھ ان کا دوسرا دانت بھی نکل کر گر پڑا۔ تمام صحابہ میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہی کے سامنے والے دانت ٹوٹے ہوئے تھے۔ [2]

غزوۂ ذات السلاسل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیجا اور ان سے فرمایا کہ دونوں آپس میں اختلاف مت کرنا۔

جب وہ وہاں پہنچے تو عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ابو عبیدہ! میری مدد کے لیے آئے ہو؟

---

[1] مسند أحمد: 3/178۔ [2] الطبقات الکبرٰی: 3/401.

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ: ہاں، البتہ جو میرے ہمراہ ہیں ان کا امیر میں ہوں اور جو آپ کے ساتھ ہیں ان کے امیر آپ ہی ہیں۔ لیکن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس بات کو ناپسند کیا اور کہا: تم میری مدد کے لیے آئے ہو، لہٰذا تم اور تمھارا لشکر بھی اب میری زیر امارت ہو گا۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمرو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ آپس میں اختلاف مت کرنا، اگر تم میری نافرمانی کر رہے ہو تو کوئی بات نہیں، میں تمھاری اطاعت کر لیتا ہوں۔ [1]

اللہ اکبر! کتنے خوب صورت لوگ تھے!

اللہ نے جس انسان کی خود تربیت کی، اس کے قلب و روح کو صفا بخشی اور اس کے لیے خاکیوں میں سے اسلام کے لیے کیسے کیسے ہیرے گھڑے۔

زہے نصیب اے ابو عبیدہ!

مردانگی اور طاقت کے ترازو میں یہ کلمہ کتنا خلوص بھرا ہے! ''اگر تم میری نافرمانی کر رہے ہو تو کوئی بات نہیں، میں تمھاری اطاعت کر لیتا ہوں۔'' جب باطن میں جماعت کی خیر اندیشی، اسلام اور مسلمانوں کے لیے بھلائی موجزن ہو۔

جہینہ کے قبائل میں سے ایک قبیلے نے غداری کا علم بلند کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تین سو مہاجرین و انصار کا دستہ دے کر، جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اللہ کی شریعت سے بھاگ نکلنے والوں کی تادیب کے لیے روانہ کیا۔ زاد راہ انتہائی قلیل تھا، سفر انتہائی کٹھن اور طویل۔ لیکن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے ادائے فرض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی بجا آوری میں ان میں سے کوئی چیز آڑے نہیں آئی۔ جب

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 273/4، و دلائل النبوة للبيهقي: 400/1.

زادِ راہ ختم ہو گیا تو وہ درختوں کے پتے جھاڑتے، انھیں پیس کر ان کا سفوف بناتے اور پھانک کر اوپر سے پانی پیتے رہے کہ کہیں ان کی جسمانی کمزوری ان کے ادائے فرض میں حائل نہ ہو جائے، وہ اسی طرح اپنے مشن پہ چلتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر سے ان کے لیے ایک بہت بڑی مچھلی نکال دی جسے انھوں نے جی بھر کر کھایا اور اللہ کے فضل سے دشمن سے مڈبھیڑ بھی نہ ہوئی اور وہ تمام لشکر صحیح سالم واپس لوٹ آیا۔

نبی ﷺ کے پاس نجران کا وفد آتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص بھیج دیں جو ہمیں ہمارا دین سکھائے اور شریعت سمجھائے، اموال کی تقسیم میں ہمارے درمیان فیصلے کرے اور اختلافات کے موقع پر ہم میں عدل کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ”شام کے وقت دوبارہ میرے پاس آنا، میں تمھارے ساتھ ایک مضبوط اور امانت دار شخص روانہ کردوں گا۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے اس دن کے علاوہ کبھی دل کی گہرائی سے امارت کی تمنا نہیں کی، میں چاہتا تھا کہ یہ فضیلت مجھے ملے، میں ظہر کی نماز کے لیے جلد ہی (مسجد) پہنچ گیا، جب آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھا چکے اور سلام پھیرنے کے بعد دائیں بائیں دیکھنے لگے تو میں بار بار اپنے آپ کو اونچا کر کر کے آپ کے سامنے نمایاں ہوتا مگر آپ کی نگاہیں کسی اور کی تلاش میں تھیں یہاں تک کہ آپ کی نگاہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پر جا ٹکی۔ آپ ﷺ نے انھیں بلایا اور فرمایا: ”ان کے ساتھ چلے جاؤ اور ان میں حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرو۔“ چنانچہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ [1]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 585/2.

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے ساتھ صاحبِ حق، ایک امانت دار شخص کو روانہ کروں گا۔'' لوگ دائیں بائیں دیکھنے لگے تو آپ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ روانہ کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہے۔'' [1]

اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا، وہ واقعی ہر معاملے میں امانت دار تھے، ان کے اخلاق کے بارے میں کبھی کسی نے ان پر کوئی طعن نہیں کیا، اپنے دین کے معاملے میں بھی امانت دار تھے، ساری زندگی اس پر عمل کرتے رہے اور اسی کی دعوت میں مصروف رہے، مسلمانوں سے دفاع کی خاطر ان کی سرحدوں پر بھی امانت دار تھے، کہ جس سرحد پر وہ ہوتے مسلمانوں کو وہاں سے دشمن کی جانب سے کبھی کوئی ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا۔

کیوں نہ ہو! وہ سب سے پہلے اسلام لانے والے دس لوگوں میں شامل ہیں اور ان دس افراد میں ان کا شمار ہوتا ہے جنھیں جیتے جی جنت کی خوش خبری دی گئی۔

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو بعض لوگ ان کے پاس آئے تاکہ خلیفہ کی بیعت ان کے ہاتھ پر کی جائے تو انھوں نے فرمایا: ''تم میرے پاس آئے ہو؟ حالانکہ تم میں تین میں سے تیسرے موجود ہیں۔'' [2]

وہ آیت کریمہ ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مراد لے رہے تھے۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث:4380، و جامع الترمذي، حديث:3791. [2] مقرر السيرة:33/1.

اس دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس امت کے امین ہونے کا لقب پانے والے! اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انھیں جواب دیا: جب سے آپ نے اسلام قبول کیا ہے میں نے آپ کو کبھی دھوکا کھاتے نہیں دیکھا، کیا آپ میری بیعت کرنا چاہتے ہیں اور آپ میں صدیق اور دو میں سے دوسرے (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود ہیں۔ [1]

گویا کہ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کروائی جو ان کی نظر سے اوجھل تھا۔

اور انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور وہ تینوں سقیفہ بنی ساعدہ کی جانب نکل پڑے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟

انصاری کہنے لگے: ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک آپ (مہاجرین) میں سے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر ہم میں سے ہوں گے اور وزیر تم لوگوں میں سے، پھر کہا: میں تم لوگوں کے لیے دو شخصیات کا انتخاب کرتا ہوں: سیدنا عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما اس امت کے امین۔

عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما دونوں نے بیک زبان کہا: ابوبکر! آپ کے ہوتے ہوئے کسی کے شایان شان نہیں کہ اسے آپ سے مقدم کیا جا سکے، پھر دونوں نے آگے بڑھ کر آپ کی بیعت کر لی۔ [2]

---

[1] السيرة الحلبية: 480/3، و تاريخ الخلفاء: 63/1. [2] الكامل في التاريخ: 358/1، و تاريخ اليعقوبي: 83/2.

یہ محمد ﷺ کے ساتھی اور آپ کے پیروکار ہیں جنھیں آپ ﷺ نے قرآن سے صیقل کیا اور انھیں اپنے رنگ ڈھب سے زندگی اور اس کے معاملات و آداب سکھلائے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ شام میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ آپ مسلمان لشکروں کی قیادت کریں۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اعزاز و اکرام کرتے ہوئے انھیں ان کی معزولیت کی بھی خبر نہ دی، جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنی معزولیت اور اپنی جگہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی امارت کا علم ہوا تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم پر اس امت کے امین کو امیر مقرر کر دیا گیا ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے ابوعبیدہ گویا ہوئے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں اور اپنے قبیلے کے بہترین نوجوان ہیں۔''[1]

دنیا یہی تھی لیکن انھیں دھوکے میں نہ ڈال سکی کیونکہ ان کے مقاصد واضح تھے جیسا کہ ربعی بن حراش نے کہا: اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا تا کہ وہ ہمارے ذریعے سے جسے چاہے بندوں کی عبادت سے نکال کر اکیلے اللہ کی عبادت کی طرف لگا دے۔[2]

جب اونچے اونچے مناصب انھیں فتنوں میں ڈال سکے نہ ان کے ایمان کو متزلزل کر سکے تو ساری دنیا ان کے ہاں اتنا ہی مقام رکھتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف چار ہزار درہم اور چار سو دینار بھیجے اور اپنے قاصد سے کہا: ذرا نظر بھی رکھنا کہ وہ انھیں کہاں صرف کرتے ہیں۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے وہ تمام درہم و دینار اللہ کی راہ میں صرف کر دیے۔ جب سیدنا

[1] مسند أحمد: 4/90. [2] البداية والنهاية: 7/40.

عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے قاصد نے اس فعل کے بارے میں بتایا تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکل پڑا: ''تمام تعریفیں اسی رب کی ہیں جس نے اسلام میں ایسا دل رکھنے والے لوگ بھی پیدا کیے ہیں''۔

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو لشکر کے کمان دار اور سپہ سالاروں نے ان کا استقبال کیا، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میرے بھائی کہاں ہیں؟ لوگ پوچھنے لگے کون سے بھائی؟ آپ نے فرمایا: ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ انھوں نے بتایا: وہ ابھی پہنچنے ہی والے ہوں گے۔ اتنے میں وہ ایک اونٹنی پر سوار تشریف لائے جسے رسی کی نکیل ڈلی ہوئی تھی، عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: اب آپ لوگ جائیں اور خود سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل پڑے حتی کہ ان کے گھر پہنچ گئے، دیکھا تو گھر میں سوائے تلوار اور ڈھال کے کچھ نہیں۔ عمر کہنے لگے: گھر میں کچھ سامان ہی رکھ لیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اتنا سامان ہی ہمیں منزل تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔ [1]

اے بہادر! تیرے کیا کہنے! اے کفر اور اس کے سرغنوں کو ٹھکانے لگانے والے، شرک اور اس کی جماعت کو گرانے والے، اے وہ مردِ آزاد جسے دنیا نے ہمیشہ گھوڑے کی پیٹھ ہی پر سوار اور فتح مند دیکھا یا رب کے لیے زمین پر سجدہ ریز، اپنے رب کا شکر ادا کرتے دیکھا!

عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے گھر میں اعلیٰ قالین اور عمدہ کپڑے نہیں دیکھے کیونکہ آپ تو گھر میں بیٹھنے والے ہی نہیں تھے کہ آپ کے گھر میں دنیا کی زیب و زینت کا سامان اور دنیا کے خزانے ہوں کیونکہ آپ کی نظر تو ہمیشہ آخرت کی زندگی پر ہوتی تھی دنیا کی حرص

[1] سیر أعلام النبلاء: 17/1، و أسد الغابة: 127/3.

تو وہ کرتا ہے جس کے لیے شیطان اسے مزین کر دے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ تو ابدی اور ہمیشہ کی زندگی کے راستے سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔

جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت اس انداز کی قوی، پر عزم اور مضبوط تھی کہ اس زندگی کی حقیقت سے چوکس، انسان شناس اور حق پہ جم جانے والی تھی، اس لیے آپ چاپلوسی اور مصلحتوں سے کوسوں دور تھے، لوگوں کے مابین انصاف کے معاملے میں ایک بال برابر بھی ہیر پھیر کے روادار نہ ہوتے تھے، چاہے ان کا مرتبہ کتنا ہی عظیم اور ان کی جنسیات میں کتنا ہی تباین ہوتا۔

مندرجہ ذیل واقعہ اس بات کی واضح دلیل پیش کرتا ہے۔

غسان کا بادشاہ جبلہ بن ایہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی خط کے نتیجے میں اسلام لے آیا، وہ ہمیشہ مسلح اور اپنے لاؤلشکر کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک روز وہ دمشق کے بازار میں گھوم رہا تھا کہ مزینہ قبیلے کے ایک شخص کو انھوں نے روند ڈالا، وہ شخص بھڑک گیا اور اس نے اس سردار کو تھپڑ دے مارا، اس نے اسے پکڑا اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاں لے آیا، اس کے حواریوں نے بتایا کہ اس نے جبلہ کو تھپڑ مارا ہے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ: تو وہ بھی اسے تھپڑ مار لے۔

حواری: کیا اسے قتل نہیں کیا جائے گا؟

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ: نہیں۔

وہ کہنے لگے: کیا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا؟

عبیدہ رضی اللہ عنہ: نہیں، اللہ نے ہمیں قصاص میں برابری کا حکم دیا ہے۔

جبلہ کہنے لگا: کیا میں اپنا چہرہ بھیڑ کے بچے جیسے حقیر کے برابر کردوں، پھر وہ اپنی قوم سمیت مرتد ہو گیا اور روم کی سرزمین میں داخل ہو گیا۔[1]

اللہ تعالیٰ اپنے دین کے حوالے سے ارادہ کر چکا تھا کہ خوب پھیلے اور شام کا سارا علاقہ دین کا پیروکار بن جائے لیکن ابھی کچھ قلعے اور دشمنوں کے بعض ٹھکانے باقی تھے۔ اسلامی لشکر تیاریوں میں تھا تاکہ فتوحات کے نئے سلسلہ کا آغاز کیا جا سکے اور ان کے ساتھ ان کے قائد ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خیر کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا، وہ انھیں زیادہ جانتا ہے اور ان کی مصلحتوں کا ان سے زیادہ واقف ہے، کیا وہ نہیں جانتا کہ اس نے کس کس کو پیدا کیا ہے، وہ تو بڑا باریک بین خبردار ہے۔ اس لشکر پر اللہ نے اپنا امتحان نازل فرمایا اور اس لشکر میں طاعون آپڑا، وہ لشکر کو یوں چٹ کرنے لگا جیسے کوئی کھیتی کاٹی جاتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جوں ہی اس وبا کی خبر ملی تو انھیں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی موت کا ڈر ہوا، انھوں نے فوراً قاصد بھیجا اور انھیں وہاں سے نکلنے کا حکم دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا:

”تم پر اللہ کی سلامتی ہو، اما بعد: مجھے تم سے ایک کام آپڑا ہے اور میں اس معاملے میں تم سے بالمشافہہ ملنا چاہتا ہوں، میں تم پر لازم ٹھہراتا ہوں کہ جیسے ہی تمھیں میرا یہ خط ملے اسے رکھنے سے پہلے میری طرف نکل پڑو۔“

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خط پڑھتے ہیں اور ان کے لکھنے کا جو مقصد ہے وہ جان جاتے ہیں اور جوابی تحریر لکھتے ہیں:

”اے امیر المؤمنین! میں آپ کی حاجت کو سمجھتا ہوں پر میں مسلمانوں کے لشکر

[1] البداية والنهاية: 61/8۔

میں ہوں اور اپنے دل میں ان سے بے رغبتی محسوس نہیں کرتا، میں انھیں چھوڑنا نہیں چاہتا حتی کہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے متعلق اپنا کوئی فیصلہ نہیں فرما دیتا، براہِ کرم مجھے اپنی مجبوری میں معذور سمجھیں۔'' [1]

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے اہل سمیت اس لشکر میں طاعون سے محفوظ رہے، پھر انھوں نے دعا کی: ''اے اللہ! اسے ابوعبیدہ کے بھی نصیب میں کر دے۔''

تو ان کی چھوٹی انگلی پر پھوڑا نکلا، آپ اسے غور سے دیکھنے لگے، لوگوں نے انھیں بتایا کہ یہ پھوڑا خطرناک نہیں ہے، آپ کہنے لگے: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسی میں برکت ڈال دے، جب وہ تھوڑی چیز میں برکت ڈال دیتا ہے تو وہ بہت ہو جاتی ہے۔ [2]

ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا خط ملا، جب انھوں نے پڑھا تو رونے لگے، لوگوں نے پوچھا: کیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے؟

فرمایا: نہیں لیکن شاید عنقریب۔ [3]

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اسی طاعون سے اٹھارہ ہجری میں اٹھاون سال کی عمر پا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اللہ ان پر لاتعداد رحمتیں فرمائے! اور وہ شخص اس دنیا کو الوداع کہہ گیا جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''بہترین انسان ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پالیتا تو انھیں خلیفہ بنا دیتا اور پھر اگر مجھ سے میرا رب پوچھتا تو میں کہہ دیتا: میں نے تو تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

[1] البداية والنهاية: 77/7. [2] أسد الغابة: 127/3. [3] البداية والنهاية: 77/7.

سنا تھا: ''ابوعبیدہ اس امت کے امین ہیں۔'' [1]

اسی لیے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک روز اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ نے سب سے کہا: سب اپنی اپنی تمنا کا اظہار کرو، سو تمام ساتھیوں نے اپنی اپنی تمناؤں کا اظہار کیا، جب وہ سب خاموش ہو گئے تو عمر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: لیکن میں ایسے گھر کی تمنا کرتا ہوں جو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں سے بھرا ہو۔ [2]

واقعی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس فرمان میں سچے تھے۔

واقعتاً ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ انسانی اخلاقِ فاضلہ اور عاداتِ سامیہ میں اکیلے ہی امت تھے۔

اللہ تعالیٰ انھیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین صلہ اور جزا دے!

[1] الطبقات الکبریٰ:3/413، والمستدرك للحاکم:3/300. [2] الطبقات الکبریٰ: 3/413.



آیت کا سببِ نزول

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾

''(اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، اگرچہ وہ ان کے باپ، ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا کنبہ قبیلہ ہو۔ یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح کے ذریعے ان کی تائید کی ہے۔''[1]

کہا جاتا ہے کہ جب ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن اپنے والد کو قتل کیا تو یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔

اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کا معاملہ مشورے کے ساتھ ان چھے افراد کے سپرد کیا تو ساتھ فرمایا'' اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں انھیں خلیفہ بنا دیتا۔''

[1] المجادلة 22:58.

اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو شروع شروع میں مسلمان ہوئے، آپس میں عقیدہ ہی ان کا نسب اور یہی ایک دوسرے کے قرب کا اصل تھا۔ یہ ایسا واسطہ تھا کہ رنگ ونسل اور زبانوں میں تفاوت کے باوجود اس نے ان لوگوں کو ایک کنبے کی مانند جوڑ دیا تھا۔

یہ مفسرین کہتے ہیں: ﴿ وَلَوْ كَانُوٓا اٰبَآءَهُمْ ﴾ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوا جب انھوں نے بدر کے دن اپنے والد کو قتل کر دیا۔

﴿ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا جب انھوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو قتل کرنے کا عزم کر لیا تھا۔

﴿ اَوْ اِخْوَانَهُمْ ﴾ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا جب انھوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔

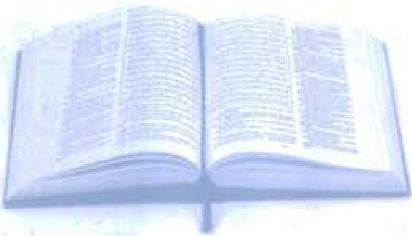
﴿ اَوْعَشِيْرَتَهُمْ ﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا جب انھوں نے اسی لڑائی میں اپنے ایک عزیز کو قتل کر دیا تھا، نیز حمزہ، علی اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوا جنھوں نے اپنے قریبی رشتہ دار عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا تھا۔

اسی انداز سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا جائے کیونکہ اس مال سے مسلمانوں کا معاش مستحکم ہوگا اور پھر یہ سب ہمارے ماموں زاد اور چچا زاد ہی تو ہیں، کیا پتا اللہ انھیں ہدایت دے دے۔

عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا مشورہ یہ نہیں، آپ میرا فلاں قریبی میرے حوالے کریں

تاکہ میں خود اس کی گردن اتاروں اور علی رضی اللہ عنہ کے حوالے عقیل کریں اور فلاں کے حوالے فلاں کریں تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے ذرا بھر محبت نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔

”(اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں۔“ [1]



[1] تفسیر القرطبي، المجادلة58:20.



کچھ شجاعت کی باتیں......

اسلام نے انتہائی قلیل وقت میں لوگوں کی نفسیات کو صیقل کر دیا، ان سے تمام برائیاں نکال باہر کیں، وہ ایک نئے انسان کے روپ میں سامنے آئے، جھوٹ بولتے نہ چوری کرتے، بدکاری کرتے نہ خیانت کرتے، دھوکا دیتے نہ کن سوئیاں کرتے، وہ اپنی جان سے بڑھ کر اپنے عقیدے کے ساتھ مخلص تھے، اللہ اور اس کے رسول کی ہر دم اطاعت میں کوشاں تھے، دوستی اور محبت میں اسلامی تعلق ان کے خونی اور نسلی علاقوں سے زیادہ مضبوط تھا۔

جب یہ آیت

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ
إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ
يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝﴾

”(اے نبی!) کہہ دیں: اگر تمھارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، تمھارا کنبہ قبیلہ، جو مال تم نے کمائے، وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور

اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[1]

نازل ہوئی تو اس نے ان کی لذتیں، طمعیں، رغبتیں اور تمام فطری کمزوریاں، والدین، اولاد، بیٹے، خاندان اور مال ودولت یہ تمام ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں اللہ، رسول اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت رکھ دی۔

بالآخر اللہ اور اس کے رسول کا پلڑا بھاری ہو گیا اور وہ قدسی روحیں اپنی رغبتوں سے کوسوں دور، اپنی شہوات سے بلند تر ہو گئیں، یوں سمجھ لیجیے کہ زمین سے وابستہ ہر چیز سے ان کا تعلق کٹ گیا۔

تاریخ ان کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد کی وفات کے بعد جلاس بن سوید بن صامت کے زیر کفالت رہے، یہ ان کی والدہ کا دوسرا شوہر تھا۔ ایک روز عمیر رضی اللہ عنہ نے جلاس کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ نازیبا کلمات سنے تو اسے کہنے لگے: جلاس! اللہ کی قسم! تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو، تمھارے مجھ پر بے حد احسانات ہیں، تمھیں ہلکی سی بھی کوئی گزند پہنچے تو یہ میرے لیے بے حد تکلیف کا باعث ہے لیکن تم نے ایسے کلمے کہیں ہیں، اگر میں تمھیں ان کا جواب دوں تو تمھیں رسوا کر دوں اور اگر میں خاموش رہتا ہوں تو میرا دین تباہ ہوتا ہے۔ میرے لیے یہ دونوں کام ہی مشکل ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ جلاس نے بکا تھا کہہ سنایا۔[2]

[1] التوبة 24:9. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 519/2.

اوراس طرح دین دنیا پر غالب آ گیا۔

اگرچہ اس وجہ سے دنیا کا مال و دولت اور اس کی فراوانی جاتی رہی اور اس کی جگہ فقر و فاقہ، بھوک اور اجنبیت قبول کرنا پڑی لیکن ایمان تو قائم رہا۔

زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ: جب قریش انھیں نکال کر قتل کرنے کے لیے لے گئے تو ان کے ارد گرد کچھ لوگ اکٹھے ہو گئے، ان میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا، اس نے پوچھا: اے زید! میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تمھیں پسند ہے کہ اس وقت تمھاری جگہ محمد ﷺ ہوتے اور ہم ان کی گردن اتار دیتے اور تم آرام سے اپنے گھر میں ہوتے؟

زید: بخدا! محمد ﷺ جس جگہ بھی ہیں، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ انھیں وہاں ایک کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں۔

ابوسفیان کہہ اٹھا: میں نے آج تک ایسے محبت نہیں دیکھے جیسے یہ لوگ محمد ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور پھر انھیں شہید کر دیا گیا۔ [1]

لیکن ایمان کی تعلیم والا مدرسہ قائم رہا تاکہ اس سے لاتعداد ایسے لوگ نکلتے رہیں جو اپنے دین اور اپنے رسول ﷺ سے اپنی جان سے بڑھ کر محبت رکھتے ہوں۔

ایک غزوے میں ایک انصاری کا ایک مہاجر سے جھگڑا ہو گیا تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے وہاں کھڑے ہو کر کافی بڑھکیں ماریں اور ساتھ کہا: اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو وہاں سے (ہم) عزت والے ذلیل لوگوں (آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ) کو نکال باہر کریں گے۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 181/3.

اس وقت بعض مسلمانوں نے اسے قتل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن آپ ﷺ نے اس سوچ کو رد فرما دیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''عمر! تمھارا کیا خیال ہے کہ کل عرب باتیں کریں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرواتے ہیں۔''[1]

پھر آپ نے اس کے بیٹے کو بلایا اور فرمایا: ''جو تمھارے باپ نے کہا وہ تم نے سنا؟'' انھوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اس نے کیا کہا ہے؟

آپ نے بتایا: وہ کہتا ہے: اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو وہاں سے (ہم) عزت والے ذلیل لوگوں (آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ) کو نکال باہر کریں گے۔

وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! اس نے سچ کہا، آپ ہی عزت والے ہیں اور وہ ذلیل لوگ ہیں۔ اے اللہ کے رسول! اہل یثرب جانتے ہیں کہ وہاں اپنے والدین کے ساتھ مجھ سے بڑھ کر کوئی حسن سلوک کرنے والا نہیں، لیکن اگر ان دونوں کا سر لانے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہے تو میں وہ بھی لانے سے گریز نہیں کروں گا۔

آپ نے فرمایا: ''نہیں، ہم یہ نہیں چاہتے۔''

جب قافلہ مدینے پہنچا تو عبداللہ بن ابی کا بیٹا عبداللہ مدینہ کے دروازے پر تلوار سونتے کھڑا ہو گیا اور اپنے باپ سے کہنے لگا: تم ہی نے کہا ہے نا! اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو وہاں سے (ہم) عزت والے ذلیل لوگوں (آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ) کو نکال باہر کریں گے۔''؟

اللہ کی قسم! تم ابھی جان لو گے کہ عزت والے تم ہو یا اللہ کے رسول؟ تم ان کی اجازت کے بغیر مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 303/3 و أصله في البخاري، حديث: 3518.

ابی نے دہائی دینا شروع کر دی: او خزرج والو! دیکھو، دیکھو، میرا بیٹا مجھے میرے اپنے گھر میں داخل ہونے سے روک رہا ہے، یہی صدائیں دیتا رہا حتی کہ لوگ جمع ہو گئے، انھوں نے اس سے بات چیت کی تو عبداللہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر مدینہ میں داخل نہیں ہوگا۔ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو واقعے کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کہو کہ اس کا راستہ چھوڑ دے اور اسے گھر جانے دے، جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا پیغام ملا تو انھوں نے کہا: ہاں، اب تم جا سکتے ہو۔[1]

یہ تو مردوں سے متعلق واقعات تھے، خواتین بھی اس قسم کی غیرت سے پیچھے نہیں تھیں، مثلاً: ابو سفیان بن حرب مدینہ میں آپ ﷺ سے ملنے کے لیے کسی کام کی غرض سے آیا تو اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجۂ رسول اللہ ﷺ کے ہاں چلا گیا، گھر میں آکر آپ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا بستر سمیٹ دیا، کہنے لگا: بیٹی! پتا نہیں کہ یہ بستر میرے لائق نہیں یا میں اس (بستر) کے لائق نہیں ہوں۔ ام حبیبہ: جی ہاں، یہ اللہ کے رسول ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہونے کی وجہ سے پلید ہیں، اس لیے میں نے یہ بستر سمیٹ دیا ہے۔[2]

ایک مسلم نوجوان خاتون نے ڈٹ کر کلمۂ حق کہہ دیا اور وہ کہاوت پاش پاش ہو گئی کہ ہر لڑکی اپنے والد کی ضرور خدمت گار ہوتی ہے۔

عروہ بن مسعود ثقفی حدیبیہ کے دن جب آپ ﷺ سے ملاقات کر کے آیا تو کہنے لگا: اے قوم! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں،

[1] البدایة و النهایة: 4/368. [2] السیرة النبویة لابن هشام: 4/38.

میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس کے ساتھی اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں، اللہ کی قسم! وہ تھوکیں بھی تو وہ تھوک ان کے کسی آدمی کی ہتھیلی ہی پہ گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے، وہ کسی کو حکم دیں تو ہر ایک فوراً بجا آوری کے لیے بڑھتا ہے، جب وہ وضو کرتے ہیں تو سب ان کے اس پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں، جب وہ بات کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں اور تعظیماً ان کی نگاہ سے نگاہ ملا کر بھی نہیں دیکھتے۔ [1]

معاملہ صرف محبت تک نہیں تھا کہ ادب اور احترام صرف آپ کے سامنے ہی ہوتا ہو، اس سے بھی بڑھ کر انھوں نے اپنی فانی زندگی کی روحیں بھی آپ پر فدا کرنے میں باک نہ سمجھی۔

مشرکین نے سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی کی لکڑی پر لٹکا رکھا ہے اور ان سے بات چیت کر رہے ہیں: کیا تمھیں پسند ہے کہ آج محمد ﷺ تمھاری جگہ ہوتے؟ وہ بولے: اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میرے بدلے انھیں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ وہ لوگ ان کی بات سن کر ہنسنے لگے کہ کیسا دیوانہ ہے؟ [2]

اُحد کے دن ابو دجانہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ورے ڈھال بن گئے، تیر آ آ کر ان کی کمر میں پیوست ہوتے جاتے مگر وہ پہاڑ تھا کہ جس نے ذرا بھی حرکت نہ کی، وہ اسی طرح رہے جب تک کہ کفار کی بوچھاڑ چھٹ نہیں گئی۔ [3]

جب آپ محفوظ رہے تو انھیں اس بات کا کوئی فکر اور غم نہیں تھا کہ تیر ان کے چہرے پر لگتے رہے یا ان کی پیٹھ پر۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 2732. [2] البداية والنهاية: 69/4. [3] البداية والنهاية: 39/4.

یہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ان کی محبت تھی اور جب معاملہ اسلام اور اس کے دفاع کا آجاتا تو وہ اس کے دفاع اور اللہ کے کلمے کی سر بلندی کی خاطر کسی چیز میں دریغ نہ کرتے، معرکۂ بدر میں اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور بہنوں سے سامنا ہوا ان کے درمیان بھی فیصلہ تلوار ہی نے کیا۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں تو ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کافروں کی طرف ہیں۔ عتبہ بن ربیعہ قریش کے ساتھ ہے تو اس کا بیٹا ابو حذیفہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

اسلام لے آنے کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا: ابا جان! بدر کے دن آپ کئی مرتبہ میری تلوار کی زد میں آئے مگر میں آپ کو بچاتا رہا۔ جواب میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹے! اگر تم ایک مرتبہ بھی میرے نشانے پر آجاتے تو میں تمھیں کبھی نہ چھوڑتا۔[1]

اسی معرکے میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو قتل کر دیا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ ان کا والد تھا بلکہ اس وجہ سے کہ وہ مشرک تھا اور کفر کی حمایت کے لیے آیا تھا۔ جب انھوں نے اس پر تلوار اٹھائی تو وہ ہر بت اور دیگر تمام ضلالات بشریہ پر تلوار اٹھا سکتے تھے جو زمانے کے ساتھ ساتھ پھیل گئیں تھیں اور انھوں نے اپنی جڑیں بنا لیں تھیں، جنھوں نے شجر وحجر کو معبود، ستاروں کو تقرب کا ذریعہ، کاہنوں اور جنوں کو سرکش اور دلیر بنا دیا تھا۔

آج اسلام کا ابو عبیدہ کہاں ہے؟ جو جدید عصبیت اور بت پرستی کی جڑیں کاٹ دے، پھیلتے الحاد کے سامنے ڈٹ جائے اور اکیسویں صدی کی نئی جاہلیت کو ریزہ ریزہ کر دے۔ کیا ہم کوئی ایسا دیکھ سکیں گے!!!!

[1] السيرة الحلبية: 414/2.

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

”اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلی ہی لگے اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ مومن غلام مشرک سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلا ہی لگے۔ یہ (مشرک لوگ) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمھیں جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“[1]

[1] البقرۃ 2:221.





عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

انھیں بیعتِ عقبہ میں ایک نقیب ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مسلمانوں نے کفر و الحاد کے خلاف جو بڑے بڑے معرکے لڑے ان میں یہ ایک بڑے نامور اور بہادر گھڑ سوار کی صورت میں سامنے آئے۔

غزوۂ موتہ میں تین ابتدائی سالاروں میں سے ایک سالار مقرر کیے گئے تھے۔

بہترین بندوں اور مصرعوں میں میٹھے میٹھے اشعار کہتے، البتہ کفار کے خلاف ان کے اشعار بڑے سخت ہوتے، انھیں خوب رگیدتے اور ان کی بزدلی کے خوب طعنے دیتے اور انھیں خوب ڈرا دھمکا کر رکھتے تھے۔

مدینہ میں پیدا ہوئے اور وہیں کی گھاٹیوں، وادیوں میں پلے بڑھے، وہاں کے سرسبز و شاداب کھلیانوں اور میٹھے پانی کے چشموں میں پرسوز آواز میں اشعار کہتے رہے۔

جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو انھیں ایک فکر لاحق تھا، ایسا فکر جس کی حقیقت سے وہ خود بھی ناآشنا تھے، بسا اوقات آسمان کی طرف نگاہیں بلند کر لیتے اور کسی چیز کی تلاش میں کھوئے رہتے، حتی کہ ایک دن انھیں نبی ﷺ کی دعوت کا پتا چلا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس دینِ جدید کی تحقیق کے لیے مکہ جانے والے اولین قافلے کے ایک سوار تھے۔

......اور پھر رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں کانوں کو آپ کی طرف لگائے بڑے انہماک سے بیٹھے تھے کہ آپ کا دین سیکھ سکیں اور آپ کے علم و حکمت کے چشمے سے سیراب ہو سکیں۔

جب انصار اور آپ ﷺ کے مابین بیعت ہو چکی تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سے جو چاہیں اپنے اور اپنے رب کے لیے شرطیں طے کر لیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے رب کے لیے یہ شرطیں لیتا ہوں کہ تم اسی کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور اپنے لیے یہ شرط لیتا ہوں کہ تم مجھ سے اس چیز کا دفاع کرو گے جس سے تم اپنا دفاع کرتے ہو۔''

انصار کہنے لگے: اگر ہم ان پر پورا اتریں تو ہمیں کیا ملے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت۔''

انصار نے جواب دیا: فائدے کا سودا ہے۔ نہ ہم خود یہ معاہدہ واپس کریں گے اور نہ ہی آپ سے واپس کرنے کا مطالبہ کریں گے۔ [1]

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

[1] البداية والنهاية: 195/3، والسيرة الحلبية: 175/2.

''بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ اللہ کے ذمے سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے! لہٰذا تم اپنے اس سودے پر خوش ہوجاؤ جو تم نے اس (اللہ) سے کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''[1]

جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ استقبال کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر آپ کی سواری کی لگام تھامی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے ہاں تشریف لایے، وہاں آپ کی کما حقہ عزت بھی ہوگی اور حفاظت بھی لیکن آپ نے انھیں بھی اسی طرح انکار کردیا جس طرح دوسروں کو انکار کیا تھا اور انھیں اونٹنی کی مہار چھوڑنے کا حکم دیا۔

فرمایا: ''اسے چھوڑ دو، یہ اللہ کے حکم سے جہاں چاہے گی بیٹھ جائے گی۔''[2]

غزوۂ بدر میں اللہ کے دشمنوں سے لڑائی میں بھی انھوں نے بہت کارنامے دکھائے۔ جب قریش نے دعوت مبارزت دی تو یہ سب سے پہلے مقابلے کے لیے نکلے، ان کے ساتھ عوف بن حارث اور ان کے بھائی معوذ رضی اللہ عنہما بھی تھے لیکن عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم انصار میں سے ہیں۔

انھوں نے کہا: ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔

[1] التوبة 9:111. [2] السيرة لابن هشام: 2/495.

پھر قریش کے لشکر میں سے آواز آئی: اے محمد ﷺ! ہمارے مقابلے میں ہماری قوم سے ہمارے ہم پلہ افراد بھیجو۔ [1]

اللہ رب العالمین نے مومنوں کو عظیم فتح و نصرت سے ہم کنار کیا، رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، وہ حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں مدینہ بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اللہ کی نصرت اور اس کی مدد کی خوش خبری سنا دیں، وہ بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر پکارتے ہوئے وہاں پہنچے تو سارا علاقہ ان کی تکبیرات سے گونج اٹھا، ان تکبیرات سے مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچی اور یہودیوں اور منافقوں جیسے کافروں کے دل ڈوبنے لگے۔ ان سیاہ روؤں نے اسی دن سے اپنا زہر پھیلانا شروع کر دیا، مختلف قبائل کو جمع کرنا شروع کیا اور قریش کی جانب اپنے وفد بھی بھیجے تاکہ محمد ﷺ سے فیصلہ کن لڑائی کے لیے لوگوں کو اکٹھا کیا جا سکے۔ مسلمانوں کو یہودیوں کی اس سازش کا بروقت علم ہو گیا اور انھوں نے اس وقت کے یہودیوں کے دو سرکردہ کعب بن اشرف اور رافع بن سلام کو قتل کروا دیا، ان کے بعد یہودیوں نے اسیر بن زارم کو اپنا امیر مقرر کیا، یہ بھی انتہائی شریر اور حاسد شخص تھا اور ایسا سرکش تھا کہ اس نے پہلوں کے انجام سے کوئی سبق نہ سیکھا اور غطفان وغیرہ جیسے قبائل کو آپ ﷺ کے خلاف لڑائی کے لیے جمع کیا۔

جب مسلمانوں کو اس چیز کا علم ہوا تو انھوں نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تین افراد کے ہمراہ اس خبر کی حقیقت جاننے کے لیے بھیجا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اس کام کو بخوبی انجام دیا۔ انھوں نے اسیر بن زارم کے ارادوں کا پتہ

[1] البدایہ والنہایہ: 3/333، والسیرۃ الحلبیۃ: 2/401.

چلایا اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ واقعتاً مسلمانوں کے خلاف لشکر اکٹھے کر رہا ہے۔

اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف روانہ ہونے کی ذمہ داری سونپی اور ساتھ یہ کام بھی سپرد کیا کہ وہ لوگوں کو آپ ﷺ کے ساتھ مل جانے کی طرف متوجہ کریں۔

جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ نکلے تو ان میں سے ہر شخص ان لوگوں سے جہاد کرنے اور زمین کو ان شریروں سے پاک کرنے کا شوقین اور متمنی تھا۔ یہاں لامحالہ حیلے کی ضرورت بھی تھی اور ویسے بھی لڑائی ایک دھوکا ہی ہے۔ جب وہ اسیر کے پاس پہنچے تو کہا: ہم سے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، ہم امن سے ہیں، ایک مقصد کے لیے آئے ہیں، وہ آپ سن لیں۔ اس نے جواب دیا: ہاں، مجھ سے بھی تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں آپ کی طرف بھیجا ہے کہ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوں، وہ آپ کو خیبر کا گورنر مقرر کرنا چاہتے ہیں اور آپ کی خیر اندیشی کے خواہاں ہیں۔ [1]

اسیر کے دل میں لالچ آ گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے کے لیے تیار ہو گیا اور اس نے اپنے ساتھ تیس افراد بھی تیار کر لیے، ہر یہودی کے ساتھ ایک مسلمان تھا۔ چلتے چلتے جب وہ ''قرقرۃ ثبار'' نامی جگہ پر پہنچے تو شہر سے باہر نکل کر اسیر کو ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلنے پر ندامت ہونے لگی کہ مجھے یوں اس کے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بیان

[1] الطبقات الكبرىٰ: 92/2.

کرتے ہیں کہ راستے میں دو مرتبہ اسیر نے میری تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا، میں اس کی حرکت سے اس کی ذہنیت کو بھانپ چکا تھا، میں نے اونٹ اس سے دور کرلیا اور کہا: اے اللہ کے دشمن! جو تم چاہتے ہو وہ ناممکن ہے۔

میں راستے میں اپنی سواری سے اتر گیا اور قافلہ چلتا رہا حتی کہ میں اور اسیر دونوں ہی رہ گئے، میں نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اس کی ٹانگ کو ران سے کاٹ ڈالا، وہ اپنے اونٹ سے گر پڑا، پھر ہم نے اس کے تمام ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور ایک کے سوا سب ہی موت کے گھاٹ اتار دیے۔ [1]

تمام مسلمان محفوظ رہے، اس طرح عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ با امن و امان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی تلواریں اللہ کے دشمنوں سے خون آلود تھیں۔ وہ باغیوں کو انجام تک پہنچا چکے تھے جو بے شمار انبیاء کے قاتل تھے اور جن کی وجہ سے اس دنیا میں خون خرابہ برپا تھا اور جنھوں نے اللہ کے بندوں میں تجسس اور بڑی بُری عادتیں پیدا کر دی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کا مکمل قصہ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ نے تمھیں ظالم قوم سے نجات دے دی۔'' [2]

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اسی طرح اسلام کے ایک مجاہد اور دعوت اسلامی کے مخلص مبلّغ کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلتے رہے۔ ہر وقت آپ کی مجلس میں شرکت کے متمنی رہتے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیماری کا علم

---

[1] الطبقات الكبرىٰ: 92/2، والبداية والنهاية: 237/5. [2] السيرة الحلبية: 187/3.

ہوا تو آپ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ سوار کیا اور سعد رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف رواں دواں تھے کہ آپ نے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کو اپنے چند چیلوں میں بیٹھا دیکھا۔ آپ نے اچھا نہ سمجھا کہ انھیں سلام اور تبلیغ کیے بغیر گزر جائیں۔ آپ ان میں آکر بیٹھ گئے، قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دی، اس کے عذاب سے ڈرایا، اس کے ثواب کی طرف راغب کیا اور اس کی آگ سے ڈرایا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو وہ حسد سے جل بھن کر کہنے لگا: اے شخص! تمھاری ان تمام باتوں سے بہتر یہ ہے کہ اگر یہ سچ ہے تو تم آرام سے اپنے گھر میں بیٹھو، جو تمھارے پاس آئے اسے یہ سناؤ اور جو نہیں آتا اسے سنا کر اذیت مت دو اوران کی مجلسوں میں آکر بدمزگی پیدا نہ کرو۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یہ کلمات سنتے ہی تلوار سونت کر اٹھ کھڑے ہوئے اور دوسرے مسلمان بھی ارد گرد جمع ہوگئے۔ وہ اس منافق، اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کو سبق سکھانا چاہتے تھے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! جو آپ نے فرمایا وہی حق ہے، جس میں کسی جانب سے باطل نہیں آسکتا، وہ حکیم وحمید رب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ بخدا! وہ ہماری جانوں اور دلوں کو بڑا محبوب ہے، ہمیں سنایے، ہماری مجلسوں اور ہمارے گھروں میں اس کا ذکر کیجیے، یہی ہمیں پسند ہے، یہی تو وہ چیز ہے جس سے اللہ نے ہمیں شرف بخشا اور آپ کے سبب ہدایت دی ہے۔

اس سے منافقین کے چہرے اتر گئے، ان کے دل کانپنے لگے اور انھیں بھاگنے کا کوئی راستہ نہ سوجھتا تھا، گویا کہ وہ بزبان حال بقول شاعر کہہ رہے ہوں:

"جب تمھارا غلام ہی تمھارا دشمن بن جائے تو تم ذلیل ہی رہو گے۔"

تم جس سے بھی جھگڑو گے وہ تمھیں رسوا ہی کرے گا۔
کیا کبھی باز بھی بغیر پروں کے اڑا؟
اگر وہ (پر) کسی دن کٹ گئے تو وہ فوراً گر پڑے گا۔''

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد بھی نہایت عمدہ شاعر رہے۔ دل کی گہرائی سے اشعار کہتے۔ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں: ایک بار میں مسجد نبوی کے پاس سے گزرا، وہاں ایک طرف آپ ﷺ اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے، جب انھوں نے مجھے دیکھا تو سب بیک زبان مجھے بلانے لگے: اے عبداللہ! اے عبداللہ! میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ ہی مجھے بلا رہے ہوں گے، میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہاں بیٹھ جاؤ۔''

میں بیٹھ گیا۔

آپ ﷺ پوچھنے لگے: جب شعر کہنا چاہو تو کیسے کہتے ہو؟

گویا کہ آپ تعجب کا اظہار کر رہے ہوں۔ عرض کی: میں اس چیز کے متعلق سوچتا ہوں اور شعر کہہ دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: تو پھر مشرکین کے متعلق شعر کہو۔

میرے ذہن میں اس موضوع کی بابت کوئی چیز نہ تھی، میں نے اس کے متعلق ذرا سا سوچا اور شعر کہہ ڈالے:

''اے بنو ہاشم میں سے بہترین شخص! اللہ نے آپ کو تمام مخلوق پر جو فضیلت دی ہے وہ کسی اور کو نہیں دی۔

میری نظر نے جو آپ میں دیکھا اور پایا، وہ اس کے برعکس ہے جو انھوں نے آپ

میں دیکھا۔

اگر آپ اپنے کسی بھی معاملے میں ان سے ذرا مدد چاہیں تو وہ آپ کی کوئی مدد اور نصرت نہیں کریں گے۔

اللہ نے آپ کو جو عمدہ چیز عطا کی ہے اس پر آپ کو ثابت قدم رکھے، جیسے اس نے موسیٰ کو ثابت قدمی عطا کی اور آپ کی ویسی نصرت فرمائے جیسے ان کی نصرت کی گئی۔‘‘

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ’’اللہ تمھیں بھی ثابت قدم رکھے!‘‘

عبداللہ رضی اللہ عنہ امن و جنگ کے حالات میں بہترین اشعار کہتے رہے، آپ کی حیات طیبہ میں بھی اور اس کے بعد بھی۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾

’’اور شاعروں کی پیروی گمراہ (لوگ) ہی کرتے ہیں۔‘‘[1]

تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ میں بھی انھی میں سے ہوں، چنانچہ انھوں نے اشعار کہنا بند کر دیے، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾

’’سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کا بکثرت ذکر کیا اور جب ان پر ظلم ہوا تو اس کے بعد انھوں نے بدلہ لیا۔‘‘[2]

[1] الشعراء 26:224. [2] الشعراء 26:227، والطبقات الکبرٰی: 3/528.

اب لوگ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار سے محروم ہو گئے، ان کے کان ان اشعار کے بڑے مشتاق رہتے لیکن اب کہاں! ان کی زبان تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہو گئی تھی اور انھوں نے اپنے اعضاء کو توحید اور قرآن پر صرف کر رکھا تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ دور دراز سفر پر تھے اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سفر و حضر میں کہیں بھی آپ سے پیچھے نہ رہتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''چلو اشعار کہو اور قافلے کے جذبات کو گرماؤ''۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے تو کافی عرصے سے اشعار کہنا ترک کر دیے ہیں۔ ادھر سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بولے: سنو اور اطاعت کرو تو انھوں نے یہ اشعار کہے:

''اے ہمارے رب! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، صدقہ کرتے نہ نمازیں ادا کرتے۔

ہم پر سکینت نازل فرما اور اگر ہمارا دشمن سے آمنا سامنا ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا!

بلا شبہ کفار ہم پر چڑھ دوڑے ہیں، وہ ہمیں فتنوں میں ڈالنا چاہتے ہیں اور ہم انکاری ہیں۔''

اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی: اے اللہ! اس پر رحم فرما!

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بولے: واجب ہو گئی۔ [1]

ان کے لیے جنت واجب ہو گئی یا اللہ کی رحمت واجب ہو گئی کیونکہ یہ اللہ کے لشکر تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اللہ کے داعی کی جوں ہی ندا سنی اس پر

[1] الطبقات الکبریٰ: 3/527.

لبیک کہا۔ یہ وہ پہلا گروہ تھا جنھوں نے اس وقت اپنے جان و مال پیش کر دیے جب بے شمار لوگوں نے اس سے کنجوسی برتی اور انھوں نے اپنی روحیں اسلام کے لیے پیش کیں جب دوسرے بزدلی دکھا گئے۔

ابن رواحہ! کتنے خوش نصیب ہو کہ تمھیں اللہ کے رسول ﷺ کی دعا ملی اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہوگیا!

پھر یہ فیاض دل اپنی خیرات و برکات دیتا رہا حتی کہ عمرۂ قضا کا وقت آپہنچا، صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے عزت وقوت سے سرشار تکبیر و تہلیل میں مصروف تھے اور ان کا آوازہ آسمانوں تک بلند ہو رہا تھا، اس وقت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ جو کہ آپ کی اونٹنی کی مہار تھامے آپ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے' کا دل اس روح پرور منظر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور انھوں نے طواف کے دوران میں ہی مسجد کے صحن میں قریش کے سامنے جذبات سے بھرے اشعار کہہ ڈالے:

''اے کفار کے بیٹو! ان کے راستے سے ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ، تمام خیر اسی نبی کے ساتھ ہے۔

انھی کے حکم سے ہم نے تم سے لڑائی اور جنگ کی۔ ایسی جنگ کہ جس نے کھوپڑیوں کو ان کی جگہوں سے جدا کر ڈالا۔ اور دوست کو دوست سے بچھاڑ کے رکھ دیا''

بس یہ بہادری میں ڈوبے بھڑکیلے اشعار سننے کی دیر تھی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبات بھڑکنے لگے اور ان کے ہاتھ قریش کے خلاف تلواروں اور نیزوں پر آرکے۔

ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں کفار اسے لڑائی کی للکار ہی نہ سمجھ لیں اور

اس سے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی ہوگی۔ وہ بلند آواز سے چلائے: اے ابن رواحہ!!! کچھ سمجھ بھی رہے ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟

نبی ﷺ نے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے کے تأثرات کو، جو وہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو محسوس کرا رہے تھے، دیکھا تو فرمایا: ''اے عمر! جو وہ کہہ رہا ہے میں سن رہا ہوں'' چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

پھر رسول کریم ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ایسے اشعار سے گریز کرنے کا حکم دیا جو لوگوں کے جذبات کو ابھاریں اور فرمایا: ''ابن رواحہ! بلکہ یہ کہو:

«لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَأَعَزَّ جُنْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ» [1]

پھر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے بتائے الفاظ دہرانے لگے اور لوگوں نے بھی وہی الفاظ کہنے شروع کر دیے۔

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ صرف مرد میدان ہی نہ تھے اور نہ صرف دل پذیر شاعر بلکہ اس سے بڑھ کر وہ زندگی کے نشیب و فراز سے بڑی اچھی طرح واقف تھے اور بڑے ماہر تاجر بھی تھے، چیزوں کے اوزان اور ان کے نرخوں (بھاؤ) کے متعلق بڑی مہارت رکھتے تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں خیبر کے یہودیوں اور مسلمانوں کے مابین ان کے پھلوں کا اندازہ کرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ [2]

وہ ایک سال سے زائد عرصہ اسی کام میں مشغول رہے، ممکن تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے اسی کام پر مقرر رہتے اگر رسول اللہ ﷺ انھیں جنگ موتہ میں ایک امیر کی حیثیت سے نہ بھیجتے۔

[1] الطبقات الكبرى: 122/2. [2] سنن أبي داود، حديث: 1606، 3410، 3413، 3414.

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اچانک اس کام کے لیے چنا گیا تو مختلف اوہام وافکار نے ان کے ذہن کو گھیر لیا۔ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد تلوار کے جوہر دکھانے کے عادی تھے، غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد اور دیگر ان تمام غزوات میں، جن میں آپ شریک ہوئے، وہ آپ ہی کے ساتھ ہوتے اور انھی عربوں سے لڑتے رہے جنھیں وہ ظاہری باطنی ہر لحاظ سے جانتے تھے اور ان کی تلوار اور تیر زنی کے داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف تھے۔ مگر یہ رومی! اور ان کے ساتھ لڑنے کا انداز کیا ہوگا......؟ وہ اپنے افکار سے تب ہی آزاد ہوئے جب لشکر کوچ کے لیے بالکل تیار ہو گیا۔

جب وہ اپنے ساتھیوں کو الوداع کرنے لگے تو آنسوان کے جذبات پر غالب آکر چھلک پڑے، ساتھیوں نے پوچھا: ابن رواحہ! کیا بات ہے؟

کہا: اللہ کی قسم! رونے کی وجہ دنیا کی محبت ہے نہ تمھارا فراق لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آیت تلاوت کرتے سنا ہے جس میں آگ کا ذکر ہے:

﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾

"اور تم میں سے جو بھی ہے وہ اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے، یہ آپ کے رب کے ذمے حتمی (اور) طے شدہ بات ہے۔"[1]

مجھے خبر نہیں کہ دنیا سے لوٹنے کے بعد میں کہاں جاؤں گا۔ ساتھی کہنے لگے: اللہ آپ کا حامی وناصر ہو، تمام مشکلات آپ سے دور رکھے اور آپ کو ہماری طرف صحیح سالم لوٹائے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

"میں تو رحمٰن سے مغفرت کا طلب گار ہوں اور ایسی تلوار کی ضرب کا جو گردن کو

[1] مریم 19:71.

کاٹ کر رکھ دے اور بدن سے جھاگ نکال دے۔

یا غضب ناک جنگجو کے ہاتھ سے برچھے کی ایسی ضرب کا طلب گار ہوں جو پیٹ اور جگر کے آر پار ہو جائے۔

حتی کہ لوگ جب میرے جسد خاکی کے پاس سے گزریں تو کہا جائے: اللہ اس پر رحم کرے! اچھا غازی تھا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔“ [1]

پھر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ آپ کو الوداع کہیں اور آپ سے کچھ نصیحت کی باتیں حاصل کر سکیں، عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی ایسی چیز بتایے جو میں ہمیشہ کے لیے یاد رکھوں۔

فرمایا: ”تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں اللہ کے حضور سجدے بہت کم کیے جاتے ہیں، تم کثرت سے اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرنا۔“ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اور نصیحت کیجیے۔

فرمایا: ”اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا، پھر تم جو بھی اس سے مانگو گے وہ تمھیں عطا کرے گا۔“ پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے تو دوبارہ لوٹ آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! بلا شبہ اللہ وتر (اکیلا) ہے اور وتر کی نماز کو پسند فرماتا ہے نا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابن رواحہ! ”میں عاجز آیا ہوں نہ تم کسی صورت عاجز آنا، اگر دس برائیاں بھی ہو جائیں اور ایک نیکی کا موقع مل جائے تو ضرور کرنا۔“ [2]

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اب میں آپ سے اور کوئی سوال نہیں پوچھوں گا، پھر آپ کو الوداع کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

---

[1] أسد الغابة: 3/237، و السيرة النبوية: 4/16. [2] سبل الهدى والرشاد: 6/146.

''اللہ نے آپ کو جو عمدہ چیز عطا کی ہے اس پر آپ کو ثابت قدم رکھے جیسے اس نے موسیٰ کو ثابت قدمی عطا کی اور آپ کی ویسی نصرت فرمائے جیسے ان کی نصرت کی گئی!

میں نے آپ میں خیر دیکھی ہے جسے میں نے فراست سے جانا ہے، جو انھوں نے آپ میں دیکھا میں نے اس کی مخالفت کی ہے۔

آپ رسول ہیں، جو آپ کے فیض سے محروم رہا تو قسمت نے اسے بہت بڑے خسارے میں رکھا۔''[1]

یہ اسلامی لشکر تین امیروں کی امارت میں روم کی جانب چل پڑا۔ ابھی وہ شام میں مَعَان تک بھی نہ پہنچے تھے کہ انھیں خبر ملی کہ ہرقل اپنی مکمل تیاری اور ایک لاکھ کی تعداد میں لشکر جرار کے ساتھ بلْقا کے مآب مقام پر خیمہ زن ہے۔

اسی وقت اسلامی لشکر نے مَعَان مقام پر دو راتیں قیام کیا، امیر اکٹھے ہوئے اور اس معاملے میں غور وفکر کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ دشمن کی تعداد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کرنا چاہیے، پھر دیکھتے ہیں کہ آپ کمک بھیجتے ہیں یا لڑائی کا حکم دیتے ہیں۔ اس وقت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: اے میری قوم کے سپوتو! جس شہادت کو طلب کرنے کے لیے نکلے ہو اسی کو بُرا سمجھ رہے ہو، ہم لوگوں سے تعداد، کثرت اور قوت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے، ہم تو اسی دین کے سہارے لڑتے ہیں جس سے اللہ نے ہمیں شرف بخشا نکل پڑو، دونوں ہی کامیابیاں ہیں، غلبہ یا شہادت۔ تو تمام لوگ پکار اٹھے: بخدا ابن رواحہ سچ کہتے ہیں۔[2]

[1] أسد الغابة: 236/3، والسيرة النبوية لابن هشام: 17/4. [2] البداية والنهاية: 277/4، والسيرة النبوية لابن هشام: 17/4.

چنانچہ لشکر چل پڑا، ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اسی دن کے لیے اپنے آپ کو تیار کر رہے تھے کہ اپنے دین اور اسلام کے لیے قربانی پیش کر کے شہادت کے درجے پر فائز ہو جائیں۔ وہ لوگ موت کو اس لیے طلب نہیں کرتے تھے کہ وہ زندگیوں سے تنگ تھے۔ وہ موت کے اس لیے حریص تھے کہ اللہ کا دین پھیل جائے اور اس کے راستے سے طاغوت اور متکبرین کا خاتمہ ہو جائے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہی: میں یتیم تھا اور ان دنوں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے زیر کفالت تھا، میں بھی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھا۔ انھوں نے اپنی سواری کے پیچھے سامان کے ساتھ مجھے بھی سوار کیا ہوا تھا۔ اللہ کی قسم! اس رات چلتے ہوئے میں نے انھیں یہ اشعار گنگناتے ہوئے سنا:

”جب تو مجھے قریب کردے گا اور میرا پالان اٹھا کر حسا مقام سے چار دن کے فاصلے پر رکھ دے گا۔

تو بڑی عمدہ حالت میں ہوگا اور تجھے ملامت نہ ہوگی کہ جب میں اپنے گھر والوں کے پاس پیچھے نہیں لوٹوں گا۔

مسلمان آئیں گے اور شام کی سرزمین میں دشمنوں کی زمین پر مجھے چھوڑ جائیں گے اور تجھے ہر قریبی رشتہ دار تعلق واسطے کو ختم کر کے رحمٰن کے سپرد کر کے چلا جائے گا۔

پھر وہاں مجھے کسی کھیتی کے پھلنے پھولنے، کھجوروں کے درختوں اور بہترین زندگی کی کوئی پروا نہیں۔“

زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میں نے ان کی زبان سے یہ اشعار سنے تو مجھے رونا آ گیا۔ انھوں نے مجھے ہلکا سا درہ مارا اور کہا: ”ارے بے وقوف! اگر اللہ مجھے شہادت

دے دے تو تجھے کیا اعتراض ہے؟ تو سواری پر بیٹھ کر واپس آجانا۔" [1]

قافلہ یوں ہی چلتا رہا حتی کہ وہ بلقا پہنچ گئے۔ وہاں انھیں ہرقل رومی کے لشکر کے دستے نظر آئے اور عرب بلقا کے ایک گاؤں مشارف میں ٹھہرے۔ جب دشمن آگے بڑھا تو مسلمان سمٹ کر موتہ بستی کی جانب ہٹ آئے۔ جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مشرکین کی تیاری، تعداد، جاہ و حشم، سونے چاندی اور ریشم سے لدے پھدے لشکر کو دیکھا تو ذرا گھبرا سے گئے۔ ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ابو ہریرہ! لشکر بہت بڑا ہے نا؟ کہنے لگے: ہاں، واقعی لشکر تو بہت بڑا ہے۔

ثابت رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ بدر میں شریک نہیں ہوئے، اسی لیے کچھ پریشان سے ہیں! ہم کبھی کثرت لشکر سے فتح یاب نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی نصرت سے فتح یاب ہوتے ہیں۔

بالآخر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور گھمسان کا رن پڑا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ پھر جھنڈا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے تھاما اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے لشکر میں جا گھسے:

"جنت اور اس کا قرب کیا خوب ہے! وہ کتنی اچھی ہے اور اس کا پانی کتنا ٹھنڈا اور میٹھا ہے!

رومی تو ختم ہو جانے والے ہیں، ان کے عذاب کا وقت قریب آچکا، وہ تو کافر ہیں، ان کے نسب بھی نامعلوم ہیں۔

مجھ پر ضروری ہے کہ جب میرا ان سے مقابلہ ہو تو انھیں قتل کر دوں۔"

[1] أسد الغابة: 236/3، والسيرة النبوية لابن هشام: 19/4.

وہ بھی لڑتے لڑتے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ پھر جھنڈا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے تھام لیا اور وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور یہ اشعار پڑھنے لگے:

''اے میری جان! میں قسم کھاتا ہوں کہ تو ان سے ضرور مقابلہ کرے گی، مقابلہ کرے گی یا تجھے زبردستی ان سے لڑنا پڑے گا؟

جب لوگ جمع ہو کر آجائیں اور سخت حملہ کر دیں، میں تجھے جنت سے گریزاں کیوں دیکھ رہا ہوں؟

تو نے دنیا میں اطمینان سے بہت وقت گزار لیا، تیری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں، سوائے اس کے کہ جیسے مشکیزے میں پانی ہو۔''

اور ساتھ یہ شعر بھی پڑھے:

''اے جان! اگر تو قتل نہ کی گئی تو ایک دن ضرور مر جائے گی تو موت کی سرزمین پر پہنچ چکی ہے۔

تو نے جو بھی تمنا کی تجھے دیا گیا، اگر تو یہ کام کر لے گی تو ہدایت پا جائے گی۔''

انھوں نے دشمنوں کو خوب ناکوں چنے چبوائے۔ مسلمانوں کو ان سے بڑی ڈھارس ملی۔ ان کے چچا زاد ان کے پاس گوشت کا ٹکڑا لائے اور کہا: آج تم بہت تھک گئے ہو، لو یہ کھا لو، کچھ پیٹ بھر لو، اس سے تقویت ملے گی۔ انھوں نے گوشت کو ایک مرتبہ ابھی نوچا ہی تھا کہ میدان جنگ سے لوگوں کا غوغا ان تک پہنچا تو کہنے لگے: تو ابھی دنیا ہی میں ہے! پھر وہ گوشت کا ٹکڑا پھینک دیا اور اپنی تلوار لے کر پھر سے میدان جنگ میں کود پڑے اور پھر لڑتے لڑتے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔[1]

[1] البداية والنهاية: 4/278، 279.

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ روم کی سرزمین کے کنارے پر شہید ہو گئے، گویا کہ وہ اپنے بعد کے لشکروں کو پیغام دے رہے ہوں کہ دنیا کے اس حصے میں دین پھیلانے کا یہی راستہ ہے، جسے شہداء اپنے خون سے رنگین کر کے تمھارے لیے واضح کر گئے ہیں.........



آیات کا سببِ نزول

سُدّی نے ابو مالک سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق بیان کیا: یہ آیت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ ان کی ایک سیاہ فام لونڈی تھی، وہ کسی بات پر اس سے ناراض ہوئے تو اسے تھپڑ دے مارا، پھر خود ہی اس بات پر پشیمان ہوئے اور تمام واقعہ نبی ﷺ سے کہہ سنایا:

آپ نے پوچھا: عبداللہ! وہ کیسی خاتون ہے؟ بتایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ بہت اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھتی ہے۔ روزے رکھتی ہے۔ اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ فرمایا: ”عبداللہ! یہ تو مومنہ ہے۔“

عبداللہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا! میں اسے ضرور آزاد کروں گا اور اس سے شادی کر لوں گا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

بعض کم علم مسلمانوں نے اس بات پر انھیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا، کہنے لگے: ایک لونڈی سے نکاح کر لیا کیونکہ بے شمار لوگ مشرکین کا حسب نسب دیکھ کر ان سے ہی رشتوں کا لین دین کرتے تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾

’’البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلی ہی لگے۔‘‘ [1]

کلبی نے ابو صالح سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثد بن ابی مرثد نامی صحابی کو، جو بنو ہاشم کے حلیف تھے، مکہ بھیجا تاکہ وہاں سے مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر لے آئیں، جب وہ مکہ پہنچے تو ان کی آمد کی خبر عناق کو بھی ہوئی۔ یہ ایک خاتون تھی، جو کہ جاہلیت میں مرثد کی دوست تھی، جب وہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے اس سے کنارہ کشی کرلی تھی۔ وہ آئی اور کہا: مرثد! میرے ہاں نہیں آؤ گے؟

کہا: نہیں، میرے اور تمھارے درمیان اسلام حائل ہو گیا ہے اور اُس کام کو ہم پر حرام کردیا ہے۔ ہاں، اگر تم چاہو تو میں تم سے شادی کر سکتا ہوں، جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹوں گا تو آپ سے اجازت لوں گا، پھر تم سے شادی کرلوں گا۔

اس نے کہا: اچھا، تم مجھ سے اکتا گئے ہو اور مجھ سے بھاگنا چاہتے ہو؟

اور شور مچا دیا، لوگوں نے انھیں پکڑ لیا اور خوب مارا، پھر انھیں چھوڑ دیا، جب انھوں نے مکہ میں اپنا کام کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے تو آپ کو عناق کا سارا واقعہ بتایا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں منع کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾

[1] تفسير القرطبي البقرة 221:2.

’’اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلی ہی لگے۔‘‘[1]



[1] تفسیر البغوي، وتفسیر الخازن، و تفسیر ابن کثیر، البقرۃ 221:2.

اسباق و فوائد

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ صرف شاعر ہی نہ تھے جنھیں مدینہ کی گھاٹیاں اور وادیاں صرف ایک ایسے شاعر ہی کی حیثیت سے جانتی ہوں جو بہترین اشعار کہتے اور پرسوز آواز میں گاتے رہتے تھے اور نہ ہی صرف ایسے زیرک اور عقل مند شخص تھے جنھوں نے اسلام کے ظہور سے پہلے ہی قریش کے بتوں اور مورتیوں کا مذاق اڑایا اور نہ ہی صرف سوچوں میں ڈوبے اور کسی فکر میں منہمک شخص جو کبھی اپنی نگاہوں کو آسمان کے بلند برجوں کی طرف گاڑ دیتے، کبھی سمندر کی گہرائیوں میں کوئی ایسی چیز تلاش کرتے جس کی حقیقت سے وہ خود بھی نا آشنا تھے کہ وہ کیا ہے اور کیسی ہے۔

یہ اشیاء جہاں کئی چیزوں کا پتا دیتی ہیں، وہاں ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے باطن پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔ اور حقیقتاً وہ ایسے فرد تھے جو اسلام کے مدرسے سے ایسے نکلے کہ ان کے دلوں میں اسلام راسخ ہو چکا تھا۔ وہ ایسے چنیدہ لوگوں میں سے تھے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح کی اور قرآن نے ان کی تعریف بیان کی۔

ایسے ممتاز لوگوں سے جہادی، شاہسوار اور بہادر امت کا خمیر اٹھا جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس لڑائی کے لیے تیار کیا اور معرکوں کے نشیب و فراز اور اللہ سے نصرت حاصل کرنے کے گُر سکھائے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَن تَضَعُوٓا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾

”اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ ساتھ لے اور اپنے ہتھیار (لگائے رکھے)۔ کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی دھاوا بول دیں۔ اگر تمھیں بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے ہتھیار (ایک طرف) رکھ دو اور اپنا بچاؤ ساتھ لو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“[1]

اور اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں روحانی طور پر بھی تیار کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَىٰنَا وَعَلَى اللَّهِ

[1] النسآء 4:102.

﴿فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: ہمیں تو صرف وہی (مصیبت) پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی، وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔“ [1]

﴿وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

”اور کوئی جاندار اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا۔“ [2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۝﴾

”(اے نبی!) جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم ان کو ثابت (قدم) رکھو جو ایمان لائے ہیں، میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب لگاؤ۔“ [3]

لیکن بالآخر مدد (کا دارو مدار) اسلحے کے بل بوتے پر تو ہے نہیں۔ نہ ہی وہ لشکر کی تعداد پر منحصر ہے اور نہ ہی قلعوں اور پناہ گاہوں کی مضبوطی پر ہے۔

یہ تمام اشیاء تو اسباب ہیں، تاہم ایک جنگجو لشکر کا موجود ہونا بھی ضروری ہے، ان چیزوں سے بھی کسی صورت غفلت نہیں برتی جا سکتی لیکن یہ تمام نصرت کے کلی اسباب

[1] التوبة 9:51. [2] آل عمران 3:145. [3] الأنفال 8:12.

نہیں اور نہ ہی غلبہ صرف کثرت عبادت سے حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی صرف روحانی قوت پر منحصر ہے اور نہ ہی صرف اللہ کی معرفت میں فتح مضمر ہے اور نہ ہی کسی فرد سے معلق ہے، چاہے وہ فرد کوئی بھی ہو، رسول ہو یا غیر رسول۔

درحقیقت مدد اور غلبہ صرف اللہ کی طرف سے ہے۔

بے شمار مرتبہ لشکر تعداد میں کم اور قوت میں کمزور ہوتا ہے اور اس میں بے شمار کمیاں بھی ہوتی ہیں لیکن غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾

"اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی جب تم کمزور تھے، پس تم اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو۔" [1]

بسا اوقات لشکر تعداد میں زیادہ افرادی اور اسلحے کی قوت میں مضبوط ہوتا ہے لیکن ہزیمت کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝﴾

"اور حنین کے دن (بھی تمھاری مدد کی) جبکہ تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔" [2]

جب مدد اور غلبہ اللہ ہی کی طرف سے ہے تو پھر جہاد کیوں ترک کر دیا گیا؟ ہمارے

[1] آل عمران 123:3. [2] التوبة 25:9.

ملک کیسے غصب کر لیے گئے اور آج ہم اغیار کے خوف اور رعب تلے گھٹ گھٹ کر جی رہے ہیں۔

ہم کس چیز سے ڈر رہے ہیں..؟ کیا قتل سے.....؟ جب مسلمان دنیوی زندگی کے حریص ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

''اور جو شخص اللہ کے راستے میں لڑے، پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آ جائے تو ہم جلد اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔''[1]

آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل کو غلبے پر مقدم رکھا ہے کیونکہ مومن بقا کا بھوکا نہیں ہوتا اور نہ وہ دنیا کی حرص کرتا ہے، مومن تو صرف اپنے دین کے طلبگار ہوتے ہیں یا اس پر فدا ہو جاتے ہیں۔ جب وہ دشمن سے دو بدو ہونے کے لیے نکلتے ہیں تو ان کے سامنے غلبہ ہوتا ہے یا پھر شہادت۔ صرف زندہ رہنا ہی ان کے اعداد میں نہیں ہوتا۔

اسی لیے فارس کے بادشاہ کے دربار میں اسلامی لشکر کے امیر نے کہا تھا: ہم تمھارے پاس ایسے جنگجو لائے ہیں جو موتوں سے ایسے پیار کرتے ہیں جیسے تم زندگی سے کرتے ہو۔[2]

جب مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے تو پھر ہزیمت کا سبب لوگوں کی اللہ سے دوری ہوتی ہے یا ایسے گناہ قوموں کو لے ڈوبتے ہیں جو معاشرے میں رائج ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾

[1] النسآء4:74. [2] البداية والنهاية:6/378، 384.

''اور تمھیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمھارے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے (پہنچتی ہے) اور بہت سی باتوں سے تو وہ درگزر ہی فرماتا ہے۔''[1]

اسلام کے مزاج اور جہاد کے اس مفہوم کو سمجھ کر دن کے وقت گھوڑوں کی پیٹھوں پر سوار اور راتوں کو اللہ سے راز و نیاز کرنے والے جزیرۂ عرب سے نکلے، جنھوں نے خوف کے بعد امن، اندھیروں کے بعد روشنیاں اور گمراہیوں کے بعد ہدایت پھیلائی۔

وہ اس طرح نکلے کہ ان کے ایک ہاتھ میں ہدایت کے لیے قرآن تھا اور دوسرے ہاتھ میں باطل کو مٹانے کے لیے تلوار تھی۔

اسلام میں لڑائی اللہ کے نام سے، اس کی اجازت سے، اس کی توفیق اور اسی کی طاقت سے لڑی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۟ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝﴾

''جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے۔''[2]

جو پہلے مسلمان تھے ان کے پاس ایسا اسلحہ تھا جسے شکست نہیں دی جا سکتی تھی۔ ایمان کا اسلحہ۔ ان کے ایمان میں شفافیت تھی۔ ان کے دلوں میں احسان کی روشنی تھی۔ ان کے پاس مومن کی فراست تھی اور یہ بڑا مضبوط اسلحہ اور بڑا قلعہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مومن کی فراست سے ہوش میں رہنا۔ اس کے نظر و فکر میں اللہ کا نور سمایا ہوتا ہے۔''[3]

---

[1] الشورٰی 42:30. [2] الحج 22:39. [3] جامع الترمذي، حديث: 3127.

انھوں نے اس انداز سے غلبہ اور نصرت کو سمجھا کہ اللہ سے نصرت کے انھی وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے وہ زمین کے چہار جانب پھیل گئے۔ دنیا ان کے قدموں تلے سمٹ گئی۔ تھوڑے ہی وقت میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدائیں آباد دنیا کے کونے کونے میں گونجنے لگیں۔

غزوۂ موتہ اسلامی پھیلاؤ کی پہلی کڑی تھی جو اندلس کو روندتی ہوئی یورپ کے کناروں تک جا پہنچی۔ وہ ایسی گونج تھی جو چین تک جا پہنچی اور اس سے سندھ اور ہند تک گونج اٹھے۔ وہ اسلامی خون جو موتہ کے میدانوں میں بہا، وہ اسلامی لشکروں کے لیے اس بات کی دلیل تھی کہ وہ بحر متوسط تک اپنی پیش قدمی کو جاری رکھیں اور اس کے جزیروں حتی کہ شمال قبرص، صیقلیہ تک غلبہ حاصل کریں۔

وہ آوازہ جو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس دور کی دنیا میں بلند کیا تھا درحقیقت وہ ابنائے اسلام کے لیے ندا تھی وہ جلدی سے بڑھے اور روس تک نکل گئے۔ اس کے ستون اور قلعوں کو ڈھادیا اور اس کے تین چوتھائی پر قبضہ کرلیا، بخارا، قوقاز، طاشقند اور سائبیریا پر ان کی حکومت تھی، بحر قزوین کے پہاڑوں پر جا بیٹھے، تمام حدیں اور رکاوٹیں ختم ہو گئیں، مسلمان بغیر کسی اجازت اور پاسپورٹ کے تمام دنیا پر چھاگئے، ایک ہی پاسپورٹ اور ایک ہی اجازت نامہ تھا، اسلام کا پاسپورٹ اور توحید کا اجازت نامہ۔......

* آج اسلام ایسے لوگوں کی تلاش میں ہے۔ اے مولا! ہم کب ایسے افراد کو افق پر نمودار ہوتا دیکھیں گے!

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو، جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں تمھارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔'' [1]

[1] الحجرات 49:2.





ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابو محمد تھی اور یہ بھی کہا گیا کہ ان کی کنیت ابو عبد الرحمٰن تھی۔ [1]

جب اللہ تعالیٰ نے انھیں پہلا بیٹا عنایت فرمایا، انھوں نے اسے اٹھایا اور دوڑے دوڑے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عجوہ کھجور کی گھٹی دی اور اس کا نام محمد رکھا، [2] ان کے تین بیٹے تھے۔ تینوں ہی اسلام کے دفاع میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ان کی والدہ بنوطیٔ سے تعلق رکھتی تھیں، بڑی عقل و دانش والی مشہور خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو پڑھنے لکھنے کا شوق دلایا تاکہ وہ ''کامل'' کا لقب پا لے، اس لیے کہ جو شخص اچھا پڑھنا لکھنا جانتا ہوتا، عرب اسے ''کامل'' کے لقب سے پکارتے تھے۔

ان کی بیگمات میں ایک حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ انھوں نے ثابت رضی اللہ عنہ کے مزاج میں سختی دیکھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان سے خلع لینے کے لیے حاضر ہوئیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''جو کچھ ثابت رضی اللہ عنہ نے تمھیں دیا ہے وہ لوٹا سکتی ہو؟''

کہنے لگیں: انھوں نے جو کچھ بھی مجھے دیا تھا وہ سب میرے پاس محفوظ ہے۔

---

[1] أسد الغابة: 451/1. [2] المستدرك للحاكم: 228/2.

فرمایا: ''ثابت! اپنا مال واپس لے لو۔''[1] چنانچہ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ثابت رضی اللہ عنہ کا تمام مال انھیں لوٹا دیا، پھر اپنی عدت پوری کی اور بعد ازاں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی۔ یہ ان کی زندگی سے چند اقتباسات تھے۔ اسلام سے قبل انھیں ''انصار کے خطیب'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ پھر انھیں ''خطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' خطیب کے لقب کا بھی شرف حاصل ہوا۔[2] غزوۂ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے اور اس کے بعد تسلسل کے ساتھ اپنی زبان اور تلوار کے ساتھ اسلام کے دفاع میں برابر کے شریک رہے۔

ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں شریک ہونے، آپ کی باتیں سننے اور دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے بڑے شوقین تھے۔

ایک دن یہ مجلسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ذرا تاخیر سے پہنچے۔ ان کی عادت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب بیٹھتے تاکہ ہر بات اچھی طرح سن سکیں۔ یہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے اور ساتھ کہتے جاتے: کھلے کھلے ہو جاؤ، راستہ چھوڑ دو۔

ایک شخص کو یہ بات بری لگی تو وہ بول پڑا: جہاں جگہ ملتی ہے وہیں بیٹھ جاؤ۔ ثابت رضی اللہ عنہ غصے سے بھرے وہیں بیٹھ گئے، جب بیٹھ گئے تو سخت لہجے میں بولے: یہ کون بولا تھا؟

اس شخص نے کہا: میں۔

ثابت: اچھا، فلاں عورت کا بیٹا!

[1] سنن أبي داود، حديث: 2227، و مسند أحمد: 433/6. [2] صحيح البخاري، حديث: 4378.

اسے اس کی ماں کے متعلق جاہلیت کا کوئی طعنہ دیا، اس شخص کا سر ندامت سے جھک گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو، ایمان (لانے) کے بعد فاسقانہ نام (سے پکارنا) برا ہے۔ جس نے توبہ نہ کی تو وہی (لوگ) ظالم ہیں۔''[1]

جب رسول اللہ ﷺ نے عہد شکنی، قبائل سے خفیہ گٹھ جوڑ اور مختلف قبائل کو اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف لڑائی کے لیے جمع کرنے کی وجہ سے بنوقریظہ کی تادیب کے لیے نکلنے کا حکم دیا تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سب سے آگے بڑھنے والوں میں سے تھے اور یہودیوں کے خلاف ان کے غصے کا کسی صورت انکار نہیں کیا جاسکتا۔ زبیر بن باطا قرظی یہودی ان کے ہاتھ قید ہوا۔ جب ثابت رضی اللہ عنہ نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا تو پہچان لیا کہ سیف وسناں کی جھنکاروں میں یہ ہماری پہلی ملاقات نہیں ہے۔ انھیں یاد آیا کہ اس سے پہلے جاہلیت میں جنگ بعاث کے موقع پر آپ اسی زبیر کے ہاتھوں

[1] تفسير القرطبي، و تفسير البغوي، الحجرات 11:49.

قید ہوئے تھے اور زبیر نے یہودیوں کی سرشت کے برخلاف ان سے بڑا کریمانہ برتاؤ کیا تھا۔ فدیہ مانگا نہ مال، عذاب دیا نہ کوڑے مارے۔ جیسا کہ جاہلیت میں قیدیوں کے ساتھ یہ (یہ برتاؤ) عام اور معمولی تھا۔ ہاں، بس پیشانی کے بال کاٹے تھے اور چھوڑ دیا تھا، اس وقت ثابت رضی اللہ عنہ جو کہ اب بوڑھے ہو چکے تھے، نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! مجھے پہچانتے ہو؟ یہودی نے کہا: بھلا میں تمھیں بھول سکتا ہوں؟

ثابت رضی اللہ عنہ: میں آج تمھیں اپنے ساتھ کیے احسان کا بدلہ دوں گا۔

یہودی: معزز لوگ ہی عزت داروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

پھر ثابت رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! زبیر کا مجھ پر احسان ہے، میں اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں، آپ اس کا خون مجھے بخش دیجیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جاؤ، وہ تمھارا ہوا۔“

ثابت رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے اور کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارا خون مجھے دے دیا ہے، جاؤ، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔

یہودی کہنے لگا: ایسا بوڑھا انسان، جس کے اہل و عیال نہ بچیں، وہ سب ہلاک ہو جائیں تو ایسی زندگی کا وہ کیا کرے گا؟

ثابت رضی اللہ عنہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اس کی بیوی اور بچے بھی مجھے عنایت کر دیجیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ بھی تمھارے ہیں۔“

ثابت رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے اور کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارے بیوی بچے بھی مجھے بخش دیے ہیں۔ جاؤ، انھیں بھی لے جاؤ۔

یہودی کہنے لگا: حجاز میں بیوی بچے ہوں اور مال وغیرہ کچھ نہ ہو تو ان کی گزران کیسے ہوگی؟

ثابت رضی اللہ عنہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اے اللہ کے رسول! اس کا مال؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ بھی تمھارا۔''

وہ پھر یہودی کے پاس آئے اور بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارا مال بھی مجھے دے دیا ہے۔'' جاؤ، وہ بھی لے جاؤ۔

زبیر کہنے لگا: اے ثابت! اس چمکتے دمکتے شیشے جیسے چہرے والے شخص کے ساتھ کیا ہوا کہ جس کے چہرے میں کنواری لڑکیاں اپنا چہرہ دیکھا کرتی تھیں، یعنی کعب بن اسد...

ثابت رضی اللہ عنہ: وہ قتل کر دیا گیا ہے۔

زبیر: شہریوں اور گاؤں والوں کے سردار حُیی بن اخطب کا کیا بنا..؟

ثابت رضی اللہ عنہ: قتل کر دیا گیا ہے۔

زبیر: ہمارے سردار، پیش رو، ہماری ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جانے والے عزال بن سموأل کہاں ہیں؟

ثابت رضی اللہ عنہ: قتل کر دیا گیا ہے۔

زبیر: ہمارے پنچایتی بنو کعب بن قریظہ اور بنو عمرو بن قریظہ؟

ثابت: سب قتل کر دیے گئے ہیں۔

زبیر کہنے لگا: اے ثابت! میں تجھے اپنے احسان کا واسطہ دے کے کہتا ہوں کہ مجھے بھی میری قوم کے ساتھ ملا دو، اللہ کی قسم! ان کے بعد جینے میں کوئی بھلائی نہیں، مجھے

تو تب صبر آئے گا جب میں ان سے جا ملوں گا۔

ثابت آگے بڑھے اور انھوں نے اسے قتل کر دیا۔

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کا یہ کلمہ بتایا گیا: ''جب تک اپنے پیاروں سے نہ مل لوں'' تو کہنے لگے: انھیں ہمیشہ کی جہنم میں ان کے ساتھ ہی جا کر ملے گا۔ [1]

یہ یہودی کا ایک واقعہ، یہودی سوچ کی بڑی اچھی طرح غمازی کرتا ہے کہ طمع اور لالچ ان کی جبلت میں کس انداز سے رچا بسا ہوا ہے۔

اور ساتھ ہی دوسری جانب اسلام کے عفو و رحم، مسلمانوں کی نرم دلی پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں رحمت و مغفرت کے دروازے ہر آن ہر شخص کے لیے کھلے رہتے ہیں۔

غزوۂ بنی قریظہ کا اسلامی دعوت کے لحاظ سے عظیم کردار ہے۔ جب غزوۂ بنی مصطلق ہوا تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی شہادت کی تلاش میں بڑھ چڑھ کر معرکے میں شریک ہوئے اور اس انداز سے دادِ شجاعت دی جیسے کوئی برسوں سے اپنے اہل و عیال سے بچھڑا لمبے فراق کے بعد گرم جذبات لے کر ان کے پاس لوٹ رہا ہو۔ بالآخر معرکہ اپنی انتہا کو پہنچا اور وہ لوٹے تو ان کے ہاتھ علاقے کی سب سے خوبصورت لڑکی آئی۔ اور وہ اس علاقے کے سردار کی بیٹی ''جویریہ بنت الحارث تھی۔'' واقعی یہ بیش قیمتی اور بڑا خزانہ تھی۔ وہ تو ایک شہزادی تھی کہ جس نے اپنے باپ کی حیات میں ہمیشہ حکم ہی چلایا مگر اس پر کوئی حکم چلانے والا نہیں تھا، وہ جو طلب کرتی پیش کیا جاتا اور اس کی خواہش رد نہیں کی جاتی تھی۔

جب اس کی ایسی شان تھی تو کیا وہ اس بات کو قبول کر سکتی تھی کہ قیدی بنا کر لونڈی

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 3/254،255.

بنا دی جائے؟ نہیں، کبھی نہیں۔ بالآخر وہ ہمت کر کے ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھی اور ان سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ ساری حقیقت کہہ سنائی اور پھر ان سے مکاتبت کر لی، مگر کیسے؟ وہ اپنی قیمت کیسے ادا کرتی، اس کے پاس تو اب پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ اس لڑائی میں وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھی تھی۔ تھی بھی نوجوان۔ باہر نکل کر مزدوری بھی نہیں کر سکتی، پھر یہ دوبارہ لوٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں ''جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار'' ہوں جو کہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ مجھ پر جو آفت ٹوٹی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ میں تقسیم میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصے میں آئی ہوں اور اس سے میں نے مکاتبت کر لی ہے اور میں آپ سے اپنی قیمت کی ادائیگی کے سلسلے میں تعاون چاہتی ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمھیں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں؟''

جویریہ: وہ کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''تمھاری قیمت میں ادا کر دیتا ہوں اور تم مجھ سے شادی کر لو''

جویریہ: جی، اللہ کے رسول! یہ بہتر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''تو پھر ٹھیک ہے۔''

اس واقعے کے بعد لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ سے شادی کر لی ہے۔

لوگوں نے کہا: پھر تو یہ قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہو گئے اور انھوں نے ان کے تمام قیدی چھوڑ دیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جویریہ کی شادی کی وجہ سے بنو مصطلق کے ایک سو افراد کو آزادی ملی، میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لیے اس سے بڑھ کر بابرکت ثابت ہوئی ہو۔[1]

درحقیقت مسلمانوں نے جتنے بھی معرکے لڑے اس کے پیچھے ایک ہی مقصد تھا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور یہ دین پھیلے اور ان بادشاہوں اور متکبروں کو ختم کیا جائے جو اپنے پیروکاروں کو اس دین کے اتباع سے روکتے ہیں۔ اگر گروہِ مخالف اللہ کی دعوت کو قبول کر لیتا اور اسلام کو مان لیتا تو وہی لوگ محبوب ترین بھائی بن جاتے تھے۔ پھر ان کے لیے تمام وہ حقوق ہوتے جو کہ مسلمانوں کے ہوتے اور ان کے لیے بھی وہی قانون ہوتا جو مسلمانوں کے لیے ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی قیدی خاتون سے شادی کر لینے کا مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ لوگ اس قوم کے قیدیوں کو چھوڑ دیں اور ان کے مال و متاع، بچوں اور عورتوں کو آزاد کر دیں۔

مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت کا بہت احترام کرتے تھے اور اس انداز سے ایمان کی کرنیں دوسروں کے دلوں میں سرایت کر جاتیں اور اس طرح وہ اپنے اسلام لانے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے کا اعلان کر دیتے۔ کچھ ہی مدت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سسرالی رشتہ دار سب سے بڑی فتح، فتح مکہ کے لیے اور جزیرۂ عرب کو شرک اور بت پرستی سے صاف کرنے کے لیے بلائے گئے اور یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک بڑی قوت ثابت ہوئے۔

جہاں ضرب و حرب کے میدان میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے وہاں ساتھ

[1] البداية والنهاية: 4/182، و امتاع الأسماع: 13/314.

ساتھ خطابت کے میدان میں بھی اولین درجے کے خطیب شمار ہوتے تھے۔

جب بنو تمیم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو پکارتے ہوئے بولے: اے محمد ﷺ! باہر آؤ، ہم ایسی قوم ہیں جس کی مدح کر دیں اسے چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس کی مذمت کر دیں اس کے لیے وہ اَن مٹ داغ بن جاتی ہے۔ جب آپ ﷺ نے ان کی بات سنی تو باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''یہ صفت تو صرف اللہ کی ہے کہ جس کی مدح سب سے بڑھ کر قابل ستائش اور جس کی مذمت سب سے بڑھ کر عار ہے۔''[1]

وہ کہنے لگے: ہم بنو تمیم کے افراد ہیں، ہم اپنے شاعر اور خطیب ساتھ لائے ہیں اور آپ سے اشعار وسخن میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے شعر دے کر بھیجا گیا ہے اور نہ مجھے کسی چیز پر فخر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہاں، تم اپنا کلام پیش کر سکتے ہو۔''

زبرقان بن بدر نے اپنی قوم کے ایک نوجوان سے کہا: اٹھو! اپنے اور اپنی قوم کے فضائل بیان کرو۔ وہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: تمام تعریفیں اس اللہ کی جس نے ہمیں سب سے بہترین قوم بنایا اور ہمیں وافر مال دیے کہ اس میں ہم جو چاہیں تصرف کریں۔ ہم تمام زمین والوں سے اچھے ہیں اور ان تمام سے تعداد، مال اور اسلحے میں زیادہ ہیں۔ جو کوئی ہماری ان فضیلتوں کا انکاری ہو، وہ ہماری بات سے بہتر بات کر کے دکھائے اور ہمارے کارناموں سے بہتر کارنامہ دکھائے۔

اس کا کلام سننے کے بعد آپ ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اٹھو اور اس کا جواب دو۔''

---

[1] مختصر تاريخ دمشق: 105/2.

ثابت رضی اللہ عنہ: تمام تعریفیں اس اللہ کی جس کی میں تعریف کرتا ہوں اور جس سے مدد چاہتا ہوں، جس پر ایمان رکھتا ہوں اور جس پر بھروسا کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ انھوں نے خوبصورت چہروں اور عمدہ اخلاق کے مالک اپنے چچا زادوں کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے اس دعوت کو قبول کیا۔ تمام تعریفیں اس اللہ کی جس نے ہمیں اپنے رسول ﷺ کا مددگار اور اس کا معاون و مشیر بنایا اور اپنے دین کی عزت کا سبب بنایا، ہم لوگوں سے تب تک لڑیں گے جب تک کہ وہ گواہی نہ دے دیں کہ اللہ ایک ہے۔ جس نے یہ کہہ لیا اس نے ہم سے اپنی جان اور مال بچالیا اور جس نے انکار کیا ہم اسے ہرگز نہیں چھوڑیں گے، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اللہ کی خاطر اُسے قتل کرنا ہمارے لیے انتہائی معمولی ہے۔ میں اپنی بات کر چکا، میں اللہ سے تمام مومنوں کے حق میں معافی کا خواستگار ہوں۔

پھر زبرقان بن بدر نے اپنے ایک نوجوان سے کہا: فلان! اٹھو، اپنی اور اپنی قوم کی فضیلت میں اشعار کہو۔ ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

ہم معزز ہیں کوئی قبیلہ بھی ہمارا ہمسر نہیں، بادشاہ ہم میں سے منتخب ہوتے ہیں اور ہمارے ہاں ہی عبادت گاہیں قائم کی جاتی ہیں۔

قحط کے موقع پر ہم ہی لوگوں پر سخاوت کرتے ہوئے کھانا کھلاتے ہیں اور پردیسی مسافر جب پریشان ہونے لگتا ہے تو ہم ہی اس کی خدمت کرتے ہیں۔

جب ہم کسی بات سے انکار کردیں تو ہمارے انکار کے آگے کوئی انکار نہیں کرتا، ہم فخر کے موقعوں پر یوں ہی بلند رہتے ہیں۔

آپ ﷺ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف کسی کو بھیجا، وہ انھیں بلا لائے تو حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم نے معد قبیلے کے شہریوں اور بدوؤں کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ اور دین کی زبردست مدد کی۔

کیا ہم موت کے میدان میں موت سے نہیں کھیلے کہ جب معسکروں کے درمیان موت کا پھول بہترین چیز تھا۔

ہم زرہ پوشوں کی کھوپڑیاں مار رہے تھے، ہمارا نسب قبیلۂ غسان کی مضبوط شاخ سے جاملتا ہے۔

اگر اللہ کی حیا نہ ہوتی تو ہم لوگوں میں خفین مقام پر تکبر سے یہ اعلان کرتے کہ ہے کوئی ہم سے مقابلہ کرنے والا؟

ہمارے زندہ افراد روئے زمین پر سب سے بہترین لوگ ہیں اور ہمارے مردے فوت شدگان میں سے عمدہ لوگ ہیں۔''

بعد ازاں اقرع بن حابس کھڑا ہوا اور کہا: واقعی محمد ﷺ بڑے نصیب والے ہیں۔ بخدا! میں جان نہیں سکا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہمارے خطیب نے بھی تقریر کی مگر ان کا خطیب زیادہ پُر زور تھا۔ ہمارے شاعر نے بھی کلام پیش کیا مگر ان کا شاعر شاعری میں زیادہ ماہر تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ہوا اور پکار اٹھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بلا شبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ نبی ﷺ نے جواب دیا: ''آج سے پہلے جو کچھ کر گزرے ہو وہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' پھر آپ ﷺ نے انھیں مختلف تحائف سے نوازا اور خصوصی طور پر کچھ کپڑے بھی عنایت فرمائے۔

یوں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمے لگایا گیا ایک نیا کارنامہ انجام دیا۔ اس کا حق بھی ادا کیا اور خوب کیا اور مسلمانوں کو زبان و بیان کے میدان میں بھی نمایاں کر دیا جیسے کہ اس سے پہلے سیف وسنان کے معرکوں میں وہ اسلام کا سر فخر سے بلند کر چکے تھے۔

اسی طرح ایک دن مسلمان اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی قیادت میں سفرِ جہاد کے لیے تیار تھے کہ اچانک انھیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی۔ یوں لگا کہ وہ (خبر) تمام پر بجلی بن کر گری ہو۔ ایسے ہی وہ (خبر) ان کی برداشت سے بھی باہر تھی۔ بلاشبہ ہر چیز کا وقت مقرر ہے، جب کسی کا وقت آجاتا ہے تو وہ لمحہ بھر کے لیے اس سے پیچھے ہٹتا ہے نہ اس سے آگے بڑھتا ہے۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾

"اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر جاؤ گے؟"[1]

اب مسلمانوں پر یہ ذمہ داری مزید بڑھ گئی کہ وہ اپنے معاملات کو احتیاط، سمجھداری اور طاقت کے ساتھ لے کر آگے بڑھیں۔ خصوصاً جبکہ کثیر عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور ان میں جھوٹے مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے جو لوگوں کو جھوٹی آرزوئیں دلاتے اور اللہ کے ذمے جھوٹ تھوپ رہے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

[1] آل عمران 3:144۔

کے خلیفہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بڑی دانشمندی سے معاملات کو ہاتھ میں لیا، ان جھوٹے دعویداروں اور مرتدوں کی سرکوبی کے لیے اور انھیں سبق سکھانے کے لیے اسلامی لشکروں کو متحرک کیا۔

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ہمراہ نکلے جو کہ یمامہ کی جانب مسیلمہ کذاب، جس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، کی سرکوبی کے لیے جا رہا تھا اور اس وقت کے بڑے بڑے سردار اور شاہسوار اس کے ہمنوا اور مددگار تھے۔

بالآخر دونوں لشکر ایک خون ریز میدان میں آمنے سامنے ہوئے، اس وقت مسلمانوں کے جوش کی کوئی انتہا نہ رہی جب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم رضی اللہ عنہ مقدمۃ الجیش کے سامنے آئے اور بلند آواز سے پکارا۔ اے اسلام کے بہادرو! اے رحمٰن کے لشکرو! کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بھی ایسے لڑا کرتے تھے؟ پھر دونوں اس انداز سے آگے بڑھے کہ دونوں نے دشمن کی صفوں کو چیر دیا اور ثابت قدمی سے ڈٹے رہے حتی کہ شہید ہو گئے [1] اور دونوں اس وقت شہید ہوئے جب انھوں نے دشمنوں کی صفوں کو اس انداز سے دولخت کر دیا تھا کہ مسلمان شاہسوار اس راستے سے دشمن کے قلب تک پہنچ چکے تھے۔

ان لوگوں کے معرکوں کے میدانوں میں جو خون بہے، وہ اللہ کی ان لوگوں کے لیے ایک بڑی مدد کا اعلان تھا کہ جو لوگ اپنے علاقوں سے صرف اللہ کے کلمے کو بلند کرنے اور اس کے دین کو پھیلانے کی خاطر نکلے تھے۔

اس دن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور ان کے جسم پر ایک نفیس قسم کی

---

[1] البداية والنهاية: 6/368.

زرہ تھی۔ ان کی نعش کے پاس سے ایک مسلمان، جس نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا، گزرا، اس نے وہ زرہ اپنے پہننے کے لیے اتار لی اور ان کے گھر نہ پہنچائی۔ اس کا خیال تھا کہ لشکر میں سے مجھے کسی نے نہیں دیکھا، خیر ہی ہے، کوئی بات نہیں۔

لیکن شاید وہ شخص یہ بھول گیا تھا کہ یہ ایک شہید کی زرہ ہے جو کہ میدانِ معرکہ میں صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑتا ہوا شہید ہوا ہے اور شہید مردہ نہیں ہوتے۔ وہ تو اپنے اللہ کے ہاں زندہ ہوتے ہیں اور انھیں وہاں رزق مہیا کیا جاتا ہے۔

جب معرکے کا دوسرا دن ہوا تو لشکر میں موجود مسلمانوں میں سے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ثابت رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے اور کہا: میں تمھیں ایک وصیت کرنا چاہتا ہوں اور یاد رکھنا! اسے صرف ایک خواب سمجھ کر بھلا نہ دینا۔ جب میں کل شہید ہوا، میرے پاس سے ایک مسلمان شخص گزرا اور اس نے میری زرہ اتار لی تھی اس کا گھر لوگوں کے (گھروں کے) ایک طرف میں واقع ہے اور اس کے خیمے کے پاس ایک گھوڑا بھی ہے جو اس نے اپنی ضرورت کے لیے رکھا ہوا ہے۔ اس نے زرہ کو چھپانے کے لیے اس پر بڑی شال ڈالی ہوئی ہے اور اس کے اوپر سواری کا پالان رکھا ہوا ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور انھیں کہو کہ میری زرہ وصول کریں، پھر جب مدینہ جاؤ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جانا اور ان سے کہنا کہ میں نے فلاں فلاں کا قرض دینا ہے اور میرا فلاں فلاں غلام آزاد ہے۔

وہ شخص چڑھتی صبح ہی سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے مکمل خواب کہہ سنایا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی بتائی معلومات کے مطابق زرہ بھی برآمد کروالی اور بعد ازاں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی آکر ان کی وصیت سے آگاہ کیا۔

انھوں نے ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت پر عمل درآمد کیا اور فرمایا: ہم ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور ایسے شخص کو نہیں جانتے کہ جس کی وفات کے بعد اس کی وصیت پر عمل کیا گیا ہو۔[1]

اس واقعے کو مادہ پرست کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ جن کے دل ودماغ ظاہر میں جکڑے ہوئے ہیں اور وہ اسی چیز کو تسلیم کرتے ہیں جسے وہ دیکھ لیں، چھو لیں یا سونگھ لیں۔ یہ لوگ بھول چکے ہیں کہ اللہ کی یہ وسیع وعریض کائنات ان کی قاصر عقل اور کوتاہ نظر کے دائرے ومحیط سے کہیں زیادہ بڑی ہے۔ ان کے رد میں تو ہمیں اللہ کی کتاب کی ایک آیت ہی کافی ہے:

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ﴾

"بلکہ انھوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا اپنے علم سے وہ احاطہ نہ کر سکے اور ابھی تک اس کی اصل حقیقت بھی ان پر نہیں کھلی تھی۔"[2]



[1] أسد الغابة: 452/1. [2] يونس 10:39.



آیت کا سببِ نزول

امام واحدی لکھتے ہیں کہ یہ آیت:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔'' [1]

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ ذرا اونچا سنتے تھے۔ اس لیے بولتے بھی ذرا بلند آواز سے تھے۔ جب یہ رسول اللہ ﷺ سے بات کرتے تو آپ کو اس (آواز) سے ذرا تکلیف محسوس ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ [2]

''ابن جریر اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ راستے ہی میں بیٹھ کر رونے لگے۔ اتنے میں عاصم بن عدی کا ان کے پاس سے گزر ہوا، انھوں نے پوچھا: ثابت! کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگے: یہ جو آیت نازل ہوئی ہے مجھے خوف ہے کہ کہیں میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو اور ساتھ ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر اپنی اہلیہ جمیلہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا: جب میں گھوڑے کے اصطبل میں داخل ہوجاؤں تو باہر سے کنڈی پر کیل لگا دینا۔ انھوں نے

---

[1] الحجرات 49:2. [2] تفسير الطبري و أسباب نزول القرآن للواحدي، الحجرات 49:2.

کیل لگا دیا تو کہنے لگے: اب میں کبھی یہاں سے باہر نہیں نکلوں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ مجھے فوت کرلے یا جب تک اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔

ادھر عاصم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں ان کے واقعے کی خبر دی، تو آپ نے فرمایا: ''جاؤ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔'' عاصم ان کے گھر پہنچے تو انھیں گھر نہ پایا، ان کی اہلیہ کے پاس جا کر ان کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے آپ کو اصطبل میں قید کر لیا ہے۔ عاصم نے انھیں خبر دی کہ اللہ کے رسول ﷺ تمھیں یاد فرما رہے ہیں۔ کہنے لگے: ٹھیک ہے، پھر کیل تڑوایا اور باہر نکل آئے، پھر دونوں چلے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

رسول ﷺ: ثابت کیوں رو رہے ہو؟

ثابت رضی اللہ عنہ: میں نے نماز پڑھی اور یہ آیت: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ ''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور آپ ﷺ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو۔'' سنی تو مجھے خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ میرے متعلق نہ نازل ہوئی ہو۔

آپ ﷺ: کیا تمھیں پسند ہے کہ تم قابل تعریف زندگی گزارو اور پھر شہادت کی موت پا کر جنت میں داخل کیے جاؤ۔''

ثابت رضی اللہ عنہ: میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اس خوش خبری پر بے حد خوش ہوں۔ آج کے بعد میں اللہ کے رسول ﷺ کی آواز سے کبھی اپنی آواز بلند نہیں کروں گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

”بلاشبہ جو لوگ رسول ﷺ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوے کے لیے جانچ لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔“ [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوملیکہ کے حوالے سے روایت کیا: قریب تھا کہ امت کی دو بہترین شخصیات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہلاک ہو جاتیں جب دونوں نے نبی ﷺ کی موجودگی میں اپنی آوازوں کو بلند کیا تھا اور آپ ﷺ کے پاس بنو تمیم کا وفد آیا ہوا تھا۔ ایک نے اقرع بن حابس کی حمایت کی تو دوسرے نے کسی اور کی جانب اشارہ کیا۔

نافع کہتے ہیں: میں دوسرے شخص کا نام بھول گیا ہوں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے صرف میری مخالفت میں دوسرے کی طرف داری کی ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے صرف میری مخالفت میں دوسرے کی حمایت کی ہے، اسی بحث میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: [2]

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو جیسے کہ تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں تمھارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔“ [3]

[1] تفسير ابن كثير، الحجرات 3:49. [2] صحيح البخاري، حديث: 4845. [3] تفسير الطبري، الحجرات 2:49.

اسباق و فوائد

قوموں اور ملکوں کی زندگی میں میڈیا کا بڑا کردار ہے کیونکہ داخلی اور خارجی حالات کا یہی حقیقی عکس ہوتا ہے۔ اسی لیے جو مملکت مذہب کو پھیلانا چاہتی ہے یا کسی دعوت کو عام کرنا چاہتی ہے وہ میڈیا کا اہتمام زیادہ کرے گی کیونکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔

اور ہمارے دور میں تو میڈیا زمین سے نکل کر سیاروں کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اب صرف یہ بڑے بڑے، امیر اور ترقی یافتہ ممالک تک ہی محیط نہیں بلکہ ہر انسان تک اس کی رسائی ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنی تشہیر چاہتا ہے، اپنے خیالات کو پھیلانا چاہتا ہے یا اپنے ادارے کی تشہیر چاہتا ہے وہ اسے ضرور استعمال کرتا ہے۔ اب تو زمانے کے ساتھ ہر ملک میں وسائلِ نشر و اشاعت کے نت نئے طریقے متعارف کروائے جا رہے ہیں، جو انسان انھیں استعمال کرنے میں جتنا ماہر ہے وہ اتنا ہی کامیاب ہے، جو لوگوں کی پسند کے مطابق انھیں استعمال کرتا اور اس سے مستفید ہوتا ہے بلکہ (سچ پوچھیں تو) یہ دور تو ہے ہی میڈیا کا دور۔

اور اسلام بھی اپنے ابتدائی ایام میں ذرائع ابلاغ سے غافل نہیں رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ دین کے معاملے میں صرف اپنی اور اپنے ساتھیوں کی کوششوں ہی

پر اکیلے جزیرۂ عرب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس دعوت نے بستی دنیا کے کونے کونے اور قوم قوم میں جا کر اعلان کیا بلکہ آپ کی زندگی تو اس بات کی جیتی جاگتی گواہ ہے کہ آپ لمحہ بھر بھی اللہ کی طرف دعوت دینے سے غافل نہیں رہے اور نہ آپ نے مبلغین اور وفود بھیجنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے دیا۔

اسی لیے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''البدایۃ والنہایۃ'' میں ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا:

''میں تم میں سے بعض کو عجمی بادشاہوں کی طرف بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھ سے ویسے اختلاف کرنے لگو جیسے بنی اسرائیل نے اپنے نبی حضرت عیسی علیہ السلام سے کیا تھا۔'' مہاجرین نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ سے کسی معاملے میں اختلاف نہیں کریں گے، آپ ہمیں حکم دیجیے اور روانہ کیجیے، چنانچہ آپ نے شجاع بن وھب رضی اللہ عنہ کو فارس کے کسریٰ کی جانب، دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو روم کے ہرقل کی جانب، منذر بن حارث رضی اللہ عنہ کو والی دمشق کی جانب اور حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو مقوقس کی جانب روانہ فرمایا۔ [1]

یہ تمام ایلچی اسلام کی ابتدائی معلومات اور بنیادی باتوں پر رسوخ رکھتے تھے۔ انھیں بھیجنے سے پہلے تعلیم دی جاتی، پھر یہ ذمے داری نبھانے والوں میں کچھ شرطیں بھی درکار ہوتیں جو انھیں اس عظیم ذمے داری کو ادا کرنے کا اہل بناتی تھیں، تا کہ وہ بادشاہوں سے جا کر بات کر سکیں اور ان کے پیروکاروں اور متبعین کو مطمئن کر سکیں۔

[1] البدایة والنهایة: 4/206، 300، 306.

اس دور میں قبیلے کی شان و شوکت اور فخر میں شاعری کو بڑا مقام حاصل تھا۔ عرب میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز (کے مقامات) پر سالانہ ایسے میلے اور بازار لگتے جہاں خطباء اور شعراء کے مقابلے ہوتے۔ ہر ایک اپنی قوم اور قبیلے پر فخر کرتا اور ان کی تعریفوں کے پل باندھتا، جب اسلام کا زمانہ آیا تو شاعری اور خطابت کا نشر و اشاعت میں وہی مقام رہا جو کہ اس سے پہلے تھا۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: مسلمانوں کے شاعر، حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم تھے۔ کعب رضی اللہ عنہ انھیں لڑائی سے ڈراتے، ابن رواحہ رضی اللہ عنہ انھیں کفر پر عار دلاتے اور حسان رضی اللہ عنہ نسب کے متعلق اشعار کہتے۔

ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے خبر ملی کہ قبیلۂ دوس سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے ان اشعار سے ڈر کر مسلمان ہوئے۔

''ہم نے تہامہ اور خیبر کے تمام سرکشوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، تب جا کے ہم نے اپنی تلواریں اکٹھی کیں۔

پھر ہم نے ان (تلواروں) سے پوچھا، اگر ان کی دھاریں بولتیں تو وہ (ضرور) کہتیں کہ اب ہم ثقیف اور دوس کو چاہتی ہیں۔''

یہ اشعار سن کر وہ کہنے لگے: جلدی سے کلمہ پڑھ لو، کہیں تمھارا بھی وہ انجام نہ ہو جو بنو ثقیف کا ہوا۔[1]

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے، وہ باہر آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''شعر کہو۔'' انھوں نے

[1] المفصل في تاريخ العرب: 313/18.

کچھ اشعار سنائے تو آپ ﷺ نے پھر کہا: ''اور کہو۔'' انھوں نے پھر کہے، آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ پھر فرمایا: ''اور شعر کہو۔'' تین مرتبہ فرمایا اور پھر کہا: ''یہ ان لوگوں کو تیروں سے زیادہ بھی تکلیف دیتے ہیں۔''[1]

سوال یہ ہے کہ آج عالم اسلام کس حد تک نشریات کے ذرائع استعمال کر رہا ہے؟ یعنی ایسی نشریات جو کسی اسلامی ملک سے نشر ہو رہی ہوں اور وہ اس پر اپنا سرمایہ صرف کر رہا ہو؟

اخبار ہو، ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن، کیا وجہ ہے کہ ان کے منتظمین اور اسلام کے مابین ایک سرد جنگ جاری ہے۔

اس کا جواب انھی لوگوں کے بیچ سے تلاش کیا جائے کہ آج یہ کام جن لوگوں کے سپرد ہے ان کی اکثریت مشرق و مغرب کے یہود و ہنود سے فیض یافتہ ہے۔ جو اسلام کی ہدایات اور اس کے نور سے دور رہے اور ملحد قسم کے لوگوں کی صحبت سے ان کے افکار پراگندہ ہوئے۔ مختصراً یہ کہ وہ یہودیوں کے ہاتھوں میں پرورش پاتے رہے، وہ یہودی اپنا پرانا خواب کہ تمام دنیا ان کے زیر تسلط آجائے، پورا کرنے کی خاطر تمام عالم کے اخلاق کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

آج ہم اکیسویں صدی میں ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ کس انداز سے اغیار کے افکار، ان کی عادات ہم میں سرایت کر چکی ہیں۔ انھوں نے ہمارے باطن میں تہلکہ مچا رکھا ہے حتی کہ وہ ہمارے مناہج تعلیم و تربیت میں بھی آگھسے ہیں۔

بسا اوقات ہم یہ عجمی افکار ان کے ہاں لینے نہیں جاتے لیکن وہ (افکار) ان

[1] مختصر تاریخ دمشق: 370/6.

شریروں اور ان کے چیلوں کی وساطت سے غیر محسوس انداز سے ہم میں سرایت کر جاتے ہیں اور جادو کا سا اثر کرتے ہیں اور ہم پر یوں اثر انداز ہوتے ہیں جیسے آگ لکڑیوں کے گٹھے پر۔ اور اس سے وہی گھر بچتا ہے جسے اللہ بچائے۔

آج ہمارے ملکوں میں میڈیا کا اسلامی مبادیات اور تعلیمات سے مزین ہونا فرض ہے تاکہ ہماری آئندہ نسلیں عمدہ اخلاق و کردار کی حامل ہوں، ہمارے بچے توحید کا سبق لے کر بڑے ہوں اور وہ اللہ کو راضی کرنے والے اعمال سے واقف ہوں۔

آج ہم اپنے دین کے معاملے میں انتہائی سستی اور کاہلی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہمارے داخلی یہ تمام وسائل کہیں اسلام کا دور دور تک ذکر نہیں کرتے، گویا کہ، نعوذ باللہ، اسلام کوئی تہمت ہے جس سے بچنا لازم ہے کہ کوئی اس میں ملوث نہ ہو جائے۔

ہم اپنے ملکوں میں اپنے دین کے لیے ان وسائل کا یہ استعمال کریں! جبکہ غیر مسلموں نے اپنے دین کی نشریات کے لیے باقاعدہ مستقل چینل چلا رکھے ہیں اور باقاعدہ اخباری صحافت میں اسے خاص جگہ دے رکھی ہے جس کا کام ہی صرف یہ ہے کہ انھیں انجیل کی بشارتیں سنائی جائیں اور عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ جہاں عیسائی اس کام میں متحرک ہیں وہاں صیہونیت اس کام میں ان سے دگنی محنت کر رہی ہے۔ تل ابیب میں باقاعدہ ایک ریڈیو اسٹیشن شروع کیا گیا کہ جس میں صرف عبرانی زبان بولی جاتی ہے تاکہ لوگوں کے کان ان قدیم الفاظ سے مانوس رہیں اور انھیں ہیکلِ سلیمانی کے قائم ہونے کی بشارت کے ساتھ ساتھ نیل سے فرات تک مکمل زمین پر حکومت کی نوید سنائی جاتی رہے۔ فلسطین تو اس کا ایک ادنیٰ سا خطہ ہے۔

ہم کوئی ایسا نشریاتی سلسلہ کب دیکھیں گے جو اس انداز سے اسلام کا نام لے گا

اور اس کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اس کا دفاع بھی کرے گا؟

اس انداز سے پوری زمین پر ایک مؤثر آواز پہنچے گی جس سے امید ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت پھیل جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ لوگ حق پر لبیک نہ کہیں اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل نہ ہوں۔

کیا آج اس زمانے میں بھی کہ جب ہمارے پاس تمام وسائل، اخبارات، ریڈیو وغیرہ موجود ہیں، ہم ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا سا کام کرنے سے عاجز ہیں؟

نہیں، ہمیں یقین ہے کہ اسلام اور اسے ماننے والے موجود ہیں۔ (محاورہ ہے:)
"جب گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے تو پھر صبح کا انتظار کرو۔۔۔۔"



اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ
بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ ۝ وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ
وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝
وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۚ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ
اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ
عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۝﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں کافر بنا کر چھوڑیں گے اور تم کیسے کفر کرسکتے ہو جبکہ تمھیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمھارے اندر اس



کا رسول (موجود) ہے؟ اور جو شخص اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لے تو اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت مل جاتی ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو، تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے، شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔'' [1]

[1] آل عمرٰن 3:100-103.



اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابو یحییٰ تھی، رسول اللہ ﷺ نے اسے بدل کر ابو عیسیٰ کر دیا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں انہیں 'کامل' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ عربی زبان لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ نیز بہترین گھڑسواروں اور تیر اندازوں میں بھی انھیں ممتاز مقام حاصل تھا۔ جس شخص میں یہ تمام خصلتیں جمع ہوتیں عرب اسے ''الکامل'' کا لقب دے دیتے تھے کہ یہ ہر فن میں ماہر ہے۔

ان کے والد بھی دورِ جاہلیت کے مشہور شاہسواروں میں شمار ہوتے تھے اور انھیں ''حضیر الکتائب'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ قبیلۂ اَوس کے سردار تھے اور بعاث کی لڑائی کے دن، جو کہ آپ کی مدینہ ہجرت سے پہلے اوس اور خزرج کے درمیان لڑی گئی تھی، لڑائی کا جھنڈا انھی کے ہاتھ میں تھا۔[1]

ان کی والدہ سلیلۃ بنت نعمان بن امرؤ القیس بھی ایک عزو شرف والے خانوادے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُسید کی تعلیم و تربیت میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ انھوں نے ہی ان کو بلند ہمتی اور بلند عزائم کا سبق دیا اور کم ہمتی کی نفرت ان کے دل و دماغ میں راسخ کر دی۔

[1] الطبقات الکبریٰ: 603/3۔

اُسید رضی اللہ عنہ یثرب میں پیدا ہوئے۔ وہ عظیم شہر کہ جس نے تاریخ کو وسیع ابواب دیے اور جس کے خاکی پہاڑوں سے اللہ کے دین کو پھیلانے کے لیے لشکر تیار کیے گئے اور لاتعداد قافلے روانہ کیے گئے۔

مدینہ کے در و دیوار اُسید رضی اللہ عنہ کو ایک بہادر نوجوان کی حیثیت سے جانتے تھے جو کہ گھوڑے کی پشت پر اچھل کر چڑھنے والا اور ہمیشہ بہادری ہی کے گن گانے والا تھا اور عمدہ اخلاق کا شیدائی تھا۔

ان کے والد ان کی نوجوانی ہی میں قتل کر دیے گئے تو قبیلے والوں کی نظر سرداری کے لیے انھی پر پڑی، چنانچہ انھوں نے ان کو سردار چن لیا اور یوں زندگی کی مسؤلیات جلد ہی ان پر آن پڑیں اور یہ بہت جلد ہی ماہر سیاستدان بن گئے۔

ان کے بچپن و جوانی کے دوست اور بڑھاپے کے ہموم کے غمگسار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ بھی عمدہ ترین نوجوان اور جاہلیت میں بہادر شاہسوار گنے جاتے تھے۔

اکثر اوقات دونوں مدینہ سے ذرا باہر 'مرق' نامی کنویں کے ارد گرد کھجوروں کے درختوں کے گھنے سایوں تلے ملاقات کرتے۔ بیٹھتے اور ایک دوسرے سے شکوے شکایتیں کرتے، اوس کی قبیلۂ خزرج کے ساتھ ہونے والی ایک نئی لڑائی کے متعلق تدبیریں سوچتے اور حضیر جو کہ بعاث کے دن قتل ہو گئے تھے ان کا تذکرہ کرتے۔

ایک دن اسی انداز سے (اسید اور سعد رضی اللہ عنہما) دونوں بیٹھے تھے کہ ان کے پاس کعب ابن حارث آئے اور آکر انھیں ایک شخص، جسے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام سے جانا جاتا تھا، کے متعلق خبر دی کہ وہ مکہ سے آیا ہے اور اسعد بن زرارہ کے ہاں مہمان ہے۔ وہ ایک دین کی دعوت دے رہا ہے جس کا نام اسلام بتاتا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ

اس رسول کا ایلچی ہے جو مکہ میں مبعوث ہوا ہے۔

کعب نے کہا: میں نے اسے کل سنا تھا: وہ اسعد سے بات چیت کر رہا تھا اور آج وہ دونوں تمھارے پاس آئیں گے اور تمھیں اپنے نئے دین کی دعوت دیں گے، پھر کعب نے بات آگے چلاتے ہوئے کہا: میں تو متعجب ہوں کہ تم دونوں یہاں ٹیلے پر بیٹھے گپ شپ میں مصروف ہو اور وہ شخص تمھاری مجالس میں اپنے دین کی ترویج کر رہا ہے......!

یہ بات سن کر سعد رضی اللہ عنہ چونک اٹھے اور پوچھا: نیا دین! کونسا نیا دین؟

کعب: اس کا خیال ہے کہ اس کا وہ ساتھی جو مکہ میں ہے اس پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ وہ بتوں کی عبادت ترک کرنے کا حکم دیتا ہے اور اکیلے ایک رب کی عبادت کی طرف بلاتا ہے۔

سعد اس سے زیادہ نہ سن سکے اور اسید سے کہنے لگے:

اٹھو، دوست! ان کی طرف چلو جو ہمارے بھولے بھالے لوگوں کو گمراہ کر کے ہماری جمعیت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں، انھیں دھمکاؤ، ڈراؤ اور بتا دو کہ خبردار! اگر ہمارے گھروں کی طرف آنے کا بھی سوچا تو............۔

پھر اچانک ان کی آواز کی شدت ماند پڑ گئی اور الفاظ میں نرمی آگئی اور اُسید سے کہنے لگے: بخدا! اگر اسعد بن زُرارہ میرے خالہ زاد نہ ہوتے اور ان کا میرے ساتھ وہ تعلق نہ ہوتا جو کہ تم بھی جانتے ہو تو میں تمھیں اس تمام معاملے میں اکیلا ہی کافی ہو جاتا۔ [1]

[1] البداية والنهاية: 185/3، والسيرة النبوية لابن هشام: 437/2.

البتہ میں اپنے ہم مجلسوں کی جانب جا رہا ہوں تاکہ میں ان دونوں کو اور جو وہ چاہتے ہیں اس سے روکنے کی تیاری کرسکوں۔ سعد نے جو کچھ کہا تھا اسید سنتے رہے، پھر اپنا برچھا پکڑا اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف بڑھنے لگے، جاتے ہوئے راستے میں ان کے کانوں میں کعب کے کلمات گونجنے لگے، گویا کہ وہ انھیں دوبارہ سن رہے ہوں۔

بتوں کی عبادت کا انکار!

ایک اکیلے کی عبادت!

آسمان سے وحی!

ایک نیا نبی!

یہ سب کیا ہے!

اور وہ اپنے تفکرات سے تب ہی باہر نکلے جب ان کے ہاتھوں نے بڑے غصے اور نفرت سے اسعد رضی اللہ عنہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ ان کے لیے دروازہ کھول دیا گیا، اسعد رضی اللہ عنہ نے جب انھیں دیکھا تو بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور انھیں سلام کہا اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ان کا تعارف کروایا: ''یہ اپنی قوم کے سردار ہیں۔ آپ کے پاس آئے ہیں۔ انھیں اللہ کے سچے حکم سے آگاہ کیجیے۔

مصعب کہنے لگے: اگر بیٹھ جائیں تو میں ضرور ان سے گفتگو کروں گا۔

لیکن اُسید رضی اللہ عنہ تو بیٹھنے کے لیے آئے ہی نہیں تھے اور نہ کچھ سننا چاہتے تھے۔ وہ تو اس شخص کو ایسا سبق سکھانے آئے تھے جو اس کے دماغ کو درست کردے اور اسے اپنے علاقے کی جانب لوٹنے پر مجبور کردے کہ وہ دوبارہ کبھی ادھر کا رخ بھی کرنے کا

نہ سوچے۔

وہ اچانک غصے سے بھرے انتہائی تلخ لہجے میں بولے: تم یہاں کیوں آئے ہو؟ ہمارے سادہ لوح لوگوں کو بگاڑنا اور ان کے حالات کو تار تار کرنا چاہتے ہو؟ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ اور کبھی یہاں کا رخ نہ کرنا۔

مصعب رضی اللہ عنہ: کیا آپ ذرا بیٹھ کر میری کچھ بات سن سکتے ہیں؟ اگر آپ کو درست معلوم ہو تو قبول کر لیجیے گا اور اگر اچھی نہ لگے تو اسے جھٹک دیجیے گا۔"[1]

مصعب رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اُسید رضی اللہ عنہ اپنی عقل و دانش کو استعمال کریں اور جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کریں، یہ ان کی طرف سے ایک عمدہ اخلاق کی ابتدا تھی جسے اسید کیسے جھٹک سکتے تھے؟

ممکن تھا کہ انھیں ان کے متعلق جو خبر دی گئی ہے وہ جھوٹی ہو، بھلا اُسید رضی اللہ عنہ اس عمدہ اخلاق کو ٹھکرا سکتے تھے؟ جبکہ وہ خود ایک عظیم انسان تھے جنھیں لوگ 'کامل' کے نام سے پکارتے تھے۔

کیا وہ کسی ایسے شخص پر زیادتی کر سکتے تھے، جو کہ اس علاقے کا بھی نہیں اور اجنبی ہے؟

مہمان کا حق اور اس کی تکریم کہاں گئی؟

بھلا وہ کسی بات کی تحقیق کیے بغیر اس پر کوئی حکم لگا سکتے تھے؟

یہ سب باتیں تو بے وقوفی کی علامت ہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور مصعب رضی اللہ عنہ کے سچ اور خلوص میں ڈوبے کلمات نے ان پر اثر دکھایا۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام:2/437.

پھر اسید رضی اللہ عنہ نے سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا: ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو، اپنا برچھا زمین میں گاڑھا اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام کے متعلق آگاہ کیا، اس کے قانون بتائے اور انھیں کچھ قرآن سنایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

﴿إِنَّهُ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ۝ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝﴾

''بلاشبہ یہ قرآن نہایت معزز ہے، ایک محفوظ کتاب میں، اسے بس پاک (فرشتے) ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔ (یہ) رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔''[1]

اور

﴿وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِينٍ ۝﴾

''اور بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ روح الامین (جبریل) اسے لے کر نازل ہوا، آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں، فصیح عربی زبان میں۔''[2]

دیکھتے ہی دیکھتے ان کا چہرہ روشن ہوگیا، اس کے چھپے نشانات واضح ہونے لگے اور ان کا دل نئی ہدایت کے لیے کھل گیا۔ ابھی مصعب رضی اللہ عنہ نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی کہ اسید رضی اللہ عنہ کہہ اٹھے: یہ کتنا خوبصورت اور حیران کن کلام ہے؟ جب تم کسی کو اس

[1] الواقعۃ 56/77-80. [2] الشعراء 26:192-195.

دین میں داخل کرتے ہو تو اسے کیا کرنا ہوتا ہے؟

مصعب رضی اللہ عنہ: آپ پہلے غسل کرکے پاک ہوجائیں گے، پھر توحید کا اقرار کریں گے اور پھر نماز پڑھنا شروع کریں گے۔ وہ اٹھے، غسل کیا، اپنے کپڑے اور بدن پاک کیے اور سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کے سامنے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پکار اٹھے۔ سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے انھیں نماز سکھائی اور انھوں نے وہیں دو رکعتیں نماز بھی ادا کی۔ [1]

اُسید! آپ کو خوش خبری ہو اللہ نے آپ کو دین فطرت اسلام کی توفیق دی۔ وہ اسلام لاتے ہی اسلام کے مبلغ بن گئے اور اسے زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوششوں میں جُت گئے۔

اوراپنے گھوڑے کا رخ اس طرف کرلیا جہاں ان کے بچپن کے ساتھی اور جوانی کے ہمراہی سعد بن معاذ بیٹھے تھے۔ جب سعد نے انھیں دیکھا تو اس اسید کے علاوہ جسے وہ جانتے تھے ایک نئے سانچے میں ڈھلے اسید کو دیکھا اور دیکھتے ہی کہا: اللہ کی قسم! اے اُسید! جس چہرے کے ساتھ تم گئے تھے اب تمھارا وہ چہرہ نہیں ہے، کیا بات ہے؟

انھوں نے ان کی کوئی بات سنی نہ اس کا جواب دیا اور انھیں لے کر فوراً وہاں پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر ٹھہرے ہوئے تھے۔ انھوں نے بھی سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کے کلام کو ویسے ہی غور سے سنا جیسے اسید رضی اللہ عنہ نے سنا تھا۔ وہ بھی کلمۂ شہادت پڑھے بغیر نہ رہ سکے اور ان کا دل بھی اسلام پر مطمئن ہوگیا۔

پھر وہ دونوں اپنی قوم کی طرف ایک نئے روپ میں لوٹے، ان دونوں کی زبانوں نے جب سے یہ نئے کلمات توحید ادا کیے تھے، ایک مرتبہ تو شرک کے تمام

[1] البداية والنهاية: 3/186، والسيرة النبوية لابن هشام: 2/437.

وسوسے اور جاہلیت کی چھاپ ان سے کوسوں دور چلی گئی، پھر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اتنے جری ہوئے کہ ایک دن اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

اے بنوعبد الاشہل! تم مجھے اپنے آپ میں کیسا پاتے ہو؟

قوم: آپ ہمارے سردار، سب سے عمدہ رائے والے اور بہترین قائد ہیں۔

اسید رضی اللہ عنہ: مجھ پر تمھارے سب مردوں اور عورتوں سے کلام کرنا حرام ہے حتی کہ تم سب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آؤ۔

بخدا! شام تک بنوعبد الاشہل میں کوئی ایک گھر بھی ایسا نہ بچا جس میں کوئی ایک مرد یا عورت مسلمان نہ تھا۔

پھر سیدنا سعد اور مصعب رضی اللہ عنہما اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر لوٹ آئے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے حتی کہ انصار کے تمام گھروں میں سے کوئی ایک نہ ایک ضرور مسلمان ہو گیا۔ [1]

سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ اپنی سفارت میں کامیاب رہے تھے اور انصاریوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہہ دیا تھا۔ اب انصاریوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی تڑپ بڑھنے لگی اور انھوں نے مکہ کی جانب رخ کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے چن لیا تھا کہ وہ ہدایت کے نور کا سرچشمہ بنے، اس کی وحی اور اس کا دین اس مقام پر نازل ہو۔ حج کے موسم میں نرالے انداز سے ایک ایمانی قافلہ نکلا جو کہ بڑی تیزی سے مکہ کی جانب بڑھ رہا تھا، ان کی تعداد بھی کافی تھی، ستر افراد سے تجاوز کر رہی تھی، انصار کی خواتین نے بھی اس قافلے سے پیچھے رہنے کی سختی سے مخالفت کی

[1] البداية والنهاية: 3/187، و السيرة النبوية لابن هشام: 2/438.

اور انھوں نے بھی اپنی طرف سے اس میں دو سفیر بھیجیں تاکہ وہ آکر انھیں تفصیل سے رسول اللہ ﷺ کی بابت آگاہ کریں اور اس کام کے لیے ام عمارہ نسیبہ بنت کعب اور اسماء بنت عمرو بن عدی رضی اللہ عنہا کو چنا گیا۔ [1]

قافلہ راستے کی خوفناک وحشت کو ایمان کی گونج کے ساتھ معطر کرتا اور صحرا کی خاموشی کو اللہ اکبر، اللہ اکبر کے بلند نعروں سے توڑتا ہوا بڑھ رہا تھا۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں ایک حُدی خوان تھے، ایک عظیم قافلہ کہ تاریخ میں جس کے ذکر کے کیا کہنے!

مکہ میں، مشرکین کی آنکھوں سے دور، ایک پر امن مقام پر، رات کے اندھیرے کے سیاہ پردے میں اس قافلے نے کہ جس کے راستے کو ایمان کے نور نے روشن کر دیا تھا، رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ ملاقات کے ابتدائی مراحل ہی میں انصار نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا اور ثابت کر دیا کہ ان کے دلوں میں ایمان بلند و بالا پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے اور انھوں نے آپ ﷺ کی حمایت میں ہر سرخ و سیاہ سے لڑنے پر بیعت کی ہے کہ وہ ہر اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے وہ اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے میں سے بارہ افراد پیش کرو جو کہ تمھارے سردار ہوں گے۔'' چنانچہ وہ بارہ افراد چن لیے گئے اور ان میں سے ایک اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ [2]

پھر کیا تھا؟

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 422/2، والروض الأنف: 81/4. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 444/2.

یہ قافلہ اپنے ساتھیوں کے دلوں میں نورِ ایمان اور رب کی خصوصی عنایتوں کی نوید سمیٹ کر یثرب کی جانب لوٹ گیا۔

اسید رضی اللہ عنہ نے یثرب میں بالکل ایک نئے شخص کی زندگی گزاری، اپنے دین کے بارے میں سمجھ بوجھ حاصل کرتے اور اپنے رب کی طرف سے عائد کردہ فرائض ادا کرتے، اپنے خاندان والوں کا خیال رکھتے اور جب رات چھا جاتی تو ان کا گھر دین اور اس کے اصولوں کی تعلیم کی درسگاہ بن جاتا، بسا اوقات یہودی بھی اس مجلس میں شریک ہوتے اور اپنے حیل و حجت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دین میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ کبھی اُسید رضی اللہ عنہ دلائل کے ساتھ ان پر غالب آجاتے اور کبھی ان کے پے درپے عجیب وغریب سوالات انھیں حیرت اور شک میں ڈال دیتے حتی کہ انھیں خوش خبری ملی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے نکل چکے ہیں اور کسی بھی وقت مدینہ پہنچنے والے ہیں۔ اسید رضی اللہ عنہ ہر روز اپنے قبیلے کے آگے آگے نکلتے اور مدینہ کے سر راہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے انتظار میں رہتے، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے، جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مدینہ میں داخل ہوئی سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھتے ہوئے جلدی سے اس کی لگام تھام لی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے ہاں قیام فرمائیں، جہاں ہم بڑی تعداد اور تیاری میں ہیں آپ وہاں ہر قسم کے خطروں سے محفوظ رہیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اونٹنی کی مہار چھوڑ دو، یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔''

ہر انصاری کی شدید خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزولِ مسعود اس کے گھر ہو لیکن آپ ہر ایک کو بڑے پیار اور اپنائیت سے یہی فرماتے: ''اونٹنی کی مہار چھوڑ دو، یہ اللہ

کے حکم کی پابند ہے۔''[1]

پھر آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر فرمائی، اُسید رضی اللہ عنہ بھی باقی انصاریوں کے ساتھ اس کی تعمیر میں برابر کے شریک رہے۔

پھر آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات فرمائی تو رسول اللہ ﷺ کے محبوب اور آپ کے آزاد کردہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بھائی چارہ اُسید رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔[2]

ہجرت کے دوسرے سال قریش لشکر جمع کر کے تیاری کرنے لگے تاکہ مومنوں کی اس جماعت کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے جو ان کے ہاتھ سے نکل کر اب مدینہ میں امن کی زندگی جی رہے تھے اور پھر غزوۂ بدر کبریٰ پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی زبردست مدد فرمائی تھی لیکن اسید رضی اللہ عنہ اس فیصلہ کن معرکے سے پیچھے رہ گئے تھے، یہ غم ان کے دل کو کھاتا رہتا تھا اور وہ بہت مہموم و مغموم رہتے تھے کہ اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے مسلمانوں کا جو پہلا مقابلہ ہوا وہ اس میں شریک نہ ہو سکے۔ جب آپ ﷺ بدر سے لوٹ رہے تھے تو راستے ہی میں سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے: تمام تعریفات اسی کے لیے ہیں جس نے آپ کو غلبہ دیا اور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی اور ساتھ ہی کہنے لگے: بخدا! اے اللہ کے رسول! میں یہ جان کر پیچھے نہیں رہا کہ آپ کا سامنا کسی دشمن سے ہوگا، میں تو یہی سمجھتا رہا کہ آپ ایک تجارتی قافلے کے لیے جا رہے ہیں، اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ کا اللہ کے کسی دشمن سے سامنا ہونے والا ہے تو میں کبھی پیچھے نہ رہتا۔

[1] البداية والنهاية: 3/ 243،242، والسيرة النبوية لابن هشام: 2/ 496، والروض الأنف: 4/ 232. [2] الطبقات الكبرىٰ: 3/ 605.

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو۔''[1]

واقعتاً اس کے بعد کسی بھی موقع پر اسید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے پیچھے نہیں رہے۔

اُحد کے دن سیدنا اُسید رضی اللہ عنہ کو سات گہرے زخم لگے اور وہ اس نازک وقت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈٹے رہے جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اچانک حملے سے اکثریت وقتی طور پر بکھلا کر دائیں بائیں ہوگئی تھی۔

اُحد کی لڑائی ختم ہوئی تو تمام لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں موجود تھے، کوئی اپنے پر ٹوٹنے والی مصیبت بیان کر رہا تھا تو کوئی اپنی ثابت قدمی کا ذکر کر رہا تھا لیکن سیدنا اُسید رضی اللہ عنہ بالکل خاموش تھے، وہ اپنے سے متعلق کسی بات کو بیان نہیں کرنا چاہتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ گویا ہوئے اور فرمایا: ''اسید بن حضیر بہت خوب انسان ہیں۔''[2]

یہ وہ شہادت تھی جو لشکر کے قائد کی طرف سے انھیں عطا ہوئی کہ اسید رضی اللہ عنہ نے اپنا فرض ادا کیا، اس معرکے میں اس کے رب، اس کے دین، اس کے رسول ﷺ کا اس پر جو حق تھا وہ اس نے ادا کردیا، جب قائد لشکر کی زبان سے یہ تعریفی کلمات بیان ہو گئے تو اب کسی اور کے کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔

اُحد کی لڑائی کے بعد آپ ﷺ کا انصار کے گھروں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ان کی خواتین کو اپنے شہداء پر روتے سنا، اس سے آپ کا غم بھی تازہ ہو گیا اور آپ کو رہ رہ کر اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی یاد آنے لگی کہ مشرکین نے ان کے ساتھ کتنا ظلم کیا تھا۔ ان کا رونا سن کر آپ کی زبان سے نکلا: ''لیکن حمزہ رضی اللہ عنہ پر کوئی رونے والا

[1] الطبقات الکبریٰ: 605/3. [2] الطبقات الکبریٰ: 605/3، والروض الأنف: 24/6.

نہیں!!'' آپ ﷺ کے یہ کلمات سیدنا سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کے کانوں تک پہنچے تو دونوں فوراً انصار کی خواتین کی طرف گئے اور انھیں حکم دیا کہ دوپٹے لیں اور جا کر رسول اللہ ﷺ کے چچا پر روئیں۔ جب آپ ﷺ نے عورتوں کا رونا دھونا سنا تو فرمایا: ''اللہ انصاریوں پر رحم فرمائے، میں نے ان جیسا ان سے پہلے کوئی غمگسار نہیں دیکھا، ان عورتوں کو کہو کہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔''[1]

اللہ انصاریوں پر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے جو کہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین سے بے پناہ محبت رکھتے تھے، اسی لیے آپ ﷺ کے جو احکامات سن لیتے ان پر فوراً عمل کرتے اور جس کے بارے میں نہی سن لیتے کبھی اس کے قریب بھی نہ جاتے۔

اُسید رضی اللہ عنہ بڑے عقل مند اور مضبوط انسان تھے جنھیں ہر قسم کے حالات تجربہ کار اور دانا ہی پاتے، ناقص رائے تو کبھی ان کے قریب بھی نہ پھٹکی تھی۔ اب جو واقعہ ہم اپنے قارئین کو بتانے جا رہے ہیں وہ بھی اس شخص کی عبقریت کو واضح کرے گا۔ جب آپ ﷺ غزوۂ بنی مصطلق سے فارغ ہوئے تو لوگوں کا ایک کنویں پر بحث و تکرار سا ہو گیا، کچھ مہاجرین انصاریوں سے الجھ گئے اور ہر ایک اپنے خاندان اور قبیلے کو پکارنے لگا۔ منافقین کے سرغنے عبداللہ بن اُبَی کو موقع مل گیا، وہ تو پہلے ہی ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ جہاں اپنا کینہ اور غصہ نکال سکے اور خبث باطن کا اظہار کرے، بولا: کیا واقعی انھوں نے ایسا کیا ہے؟ یعنی مہاجرین نے، پھر ساتھ ہی بولنا شروع ہو گیا: یہ لوگ ہمارے گھروں میں آئے اور آج اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ہمی سے جھگڑے کرتے ہیں،

[1] الروض الأنف: 24/6، و الطبقات الکبریٰ: 3/11-18، و سبل الهدیٰ والرشاد: 4/230.

ہماری مثال تو اب اس قول کے مصداق ہے: ''اپنے کتے کو پالو اور خوب موٹا کرو تا کہ بڑا ہو کر تمھیں ہی کاٹے''۔ بخدا۔ اگر ہم مدینہ لوٹے تو لازماً عزت والے ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے، پھر اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: یہ سب کچھ تم نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے (کہ یہ آج اتنے شیر ہو گئے ہیں)، انھیں اپنے علاقوں میں جگہیں دیں، اپنے مال ان میں تقسیم کیے، بخدا! اگر تم ان سے اپنا تعاون روک لو تو لازماً یہ اپنے علاقوں میں جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی اس منافق کے ان کلمات کی اطلاع مل گئی، آپ ﷺ کو خدشہ ہوا کہ کہیں کوئی صحابی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غیرت کھا کر اسے قتل ہی نہ کر دے، بالخصوص کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا: اے اللہ کے رسول! عباد بن بشر کو حکم دیں کہ اسے ختم کر دے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر! تب کیا کرو گے جب لوگ یہ باتیں کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کروا دیتے ہیں؟ نہیں، ایسا نہیں کرنا۔ لوگوں کو کوچ کا حکم دو۔''

اور آپ ﷺ نے ایسے وقت میں کوچ کا حکم دے دیا جبکہ عام سفروں میں کبھی اس وقت قافلہ نہیں چلایا کرتے تھے۔ [1]

جب لشکر چل پڑا تو سیدنا اُسید رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! خیریت ہے کہ آج آپ نے ایسے وقت میں لشکر کو چلنے کا حکم دے دیا ہے جبکہ اس سے پہلے آپ نے اس وقت میں کبھی قافلہ نہیں چلایا............؟

رسول اللہ ﷺ: ''تمھیں نہیں پتا کہ تمھارے آدمی نے کیا کہا ہے؟''

[1] تفسير الطبري، المنافقون 8:63، والسيرة النبوية لابن هشام: 304/3.

اسید رضی اللہ عنہ: اے اللہ کے رسول! کون سا آدمی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم: عبداللہ بن اُبی۔

اسید رضی اللہ عنہ: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے کیا کہا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم: ''اس کا خیال ہے کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو لازماً عزت والے ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔''

اُسید رضی اللہ عنہ: بخدا! اے اللہ کے رسول! اگر آپ چاہیں تو آپ ہی اسے باہر نکالیں گے۔ اللہ کی قسم! وہ ذلیل ہے، آپ عزت والے ہیں اور غالب ہیں، پھر کہا: اے اللہ کے رسول! اسے معذور سمجھیں، اللہ کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ ہمارے پاس لایا ہے، دراصل اس کی قوم اس کی تاج پوشی کی تیاریاں کر رہی تھی لیکن آپ کے آنے کے بعد وہ اس سے محروم ہو گیا ہے اور اسے یہ دکھ ہے کہ آپ نے آکر اس کی سرداری سلب کر لی ہے۔ [1]

گویا کہ وہ ایک ماہر نفسیات ہوں جنھوں نے بڑی دور سے اس کے احساسات، غموم اور اندرونی جذبات کو بھانپ لیا ہو۔

اس منافق عبداللہ بن ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک روا رکھا ہوا تھا اور اپنے نفاق کا اظہار کر کے وہ اپنے ساتھ بھی زیادتی کرتا تھا۔ اس کے تمام شر کے پیچھے یہی ایک سوچی سمجھی پلاننگ ہوتی تھی کہ مسلمانوں کی صف کو پارہ پارہ کر دیا جائے اور اگر ممکن ہو تو کسی بھی طریقے سے انھیں مدینہ سے نکال دیا جائے اور وہ اسی طریقے سے ممکن تھا کہ ان کے درمیان ایسی پھوٹ ڈل جائے کہ یہ ایک

[1] السیرة النبویة لابن هشام: 305/3.

دوسرے کے خونوں تک پہنچ جائیں۔ یہی ایک طریقہ تھا جس کے ذریعے سے اس کا کھویا تاج اسے مل سکتا تھا لیکن آپ ﷺ ہمیشہ کمال حکمت سے اس کے تمام ہتھکنڈے ناکام کردیتے۔ پھر اسید رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی حقیقی صورت حال بیان کر کے آپ کے غصے کو کم کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے نقصان پر دیوانہ ہو چکا ہے، اس لیے وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا کہ شاید یہاں ہی سے اس کی کھوئی میراث اسے مل جائے۔

آپ ﷺ ان تمام باتوں سے واقف تھے لیکن سیدنا اُسید رضی اللہ عنہ کے اس موقع پر یہ کلمات ان کی صداقت کی دلیل تھے اور آپ سے یہ التماس بھی تھا کہ اسے معذور سمجھیں۔ آپ تو اب اور اس سے پہلے بھی درگزر کرنے والی شخصیت تھے لوگوں کی بڑی بڑی خطائیں اور لغزشیں معاف فرمادیتے تھے۔

لیکن منافقین تھے کہ ان کی ریشہ دوانیوں کی بھی کوئی حد نہ تھی، ان کی سرکشی بھی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ نئی نئی باتیں گھڑتے۔ جھوٹے پروپیگنڈے کرتے۔ رسول ﷺ اور آپ کی رسالت کے متعلق لوگوں میں تشکیک پیدا کرتے اور ہر دفعہ ایک نیا ہی ڈھنگ اختیار کرتے حتی کہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی معاف نہ کیا اور ان پر گھناؤنا الزام تراش ڈالا۔ یہ سب انھوں نے صرف اس وجہ سے کیا کہ مسلمانوں کو بدنام کر سکیں اور اس غلیظ بات سے مسلمانوں کی اخلاقی پستی کا پروپیگنڈا کیا جا سکے تاکہ یہ لوگوں کے ہاں بدنام ہو جائیں۔

معاملے کی وضاحت کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''لوگو! (ان) لوگوں کا کیا کرنا چاہیے جو میرے گھر والوں کے متعلق نازیبا باتیں کر

کے مجھے اذیت دے رہے ہیں اوران پر جھوٹے الزام لگا رہے ہیں؟ اللہ کی قسم! میں نے ان میں ہمیشہ بھلائی ہی دیکھی ہے اور ایسے شخص کے متعلق الزام لگا رہے ہیں جس کے متعلق بھی میں خیر ہی جانتا ہوں، میں اپنے گھروں میں سے جس گھر بھی جاتا تھا تو وہ میرے ساتھ ہوتا تھا (میں نے اس میں کبھی کوئی کھوٹ نہیں دیکھی)۔'' [1]

جب آپ ﷺ نے یہ کلمات کہے تو اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے دفاع کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر یہ لوگ ہمارے قبیلے اوس میں سے ہیں تو ہم آپ کو کافی ہو جائیں گے اور اگر ان کا تعلق ہمارے بھائیوں کے قبیلے خزرج سے ہے تو حکم دیجیے کہ آپ ان کے متعلق کیا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اللہ کی قسم! یہ لوگ اس اہل ہیں کہ ان کی گردنیں اتار دی جائیں۔ [2]

''حالانکہ اس سے پہلے اُسید رضی اللہ عنہ بڑے نرم خو اور لوگوں کی طرف سے عذر پیش کرتے نظر آتے تھے مگر اس مقام پر وہ برداشت نہ کر سکے، یہ چیز ان کے انسانی دل پر بڑی شاق گزری، اسے وہ برداشت نہ کر سکے اور کسی کے لیے عذر پیش نہیں کیا......

یہ تو دنیا کے عظیم ترین لوگوں پر بلا دلیل طعنہ زنی ہے۔ کرۂ ارض پر پاکیزہ ترین نبوی گھرانے کی طاہرہ مطہرہ خاتون پر کیچڑ اچھالنا ہے۔ اسی لیے ان کے الفاظ بہادری میں ڈوبے ہوئے اور کاٹ دار تھے: ''یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی گردنیں اتار دی جائیں۔'' اصل میں یہی ایک شریف اور بہادر آدمی کا منصب ہے اور ایک سپاہی کا فرض بھی جو بغیر کسی تاخیر کے اپنے قائد کے حکم کا منتظر اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو۔

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 313/3، وتفسير الطبري، النور: 11:24. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 314/3، و تفسير البغوي، والخازن، والدر المنثور، النور 11:24.

پھر ایک دن مسلمانوں پر ایسے غم کا پہاڑ ٹوٹا کہ مسلمانوں نے اس جیسا غم نہ کبھی دیکھا تھا نہ کبھی ویسے صدمے کا تصور ہی تھا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر نبی ﷺ کی وفات کا اعلان کر دیا، اس وقت مسلمانوں کے دل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گئے جب انھیں یہ پتا چلا کہ آج کے بعد وہ اس محبوب ہستی کو، جس نے انھیں اندھیروں سے روشنی کی راہ دکھائی، جسے دیکھ کر وہ جیتے تھے، کبھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ غم کی اس گھٹا میں کہ جس نے بڑے بڑے صابروں اور مضبوط حوصلے والوں کو ہلا دیا تھا، انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کے چناؤ کے لیے جمع ہوئے اور انھوں نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو پیش کر دیا تاکہ وہ مسلمانوں کی باگ ڈور سنبھالیں۔ انصار میں سے ایک خطیب کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ہم انصار ہیں اور اسلام کا لشکر ہیں۔ ادھر مہاجرین کو اس اجتماع کا علم ہوا تو وہ بھی ادھر پہنچے اور ان کی مخالفت کرنے لگے، قریب تھا کہ فتنہ اس قدر بڑھ جاتا کہ کچھ بھی باقی نہ بچتا۔

اس خطرناک موڑ پر انصار کا دانا شخص کہاں ہے؟

اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ تاکہ وہ بھڑکے ہوئے لوگوں کو ٹھنڈا کریں۔ دلوں میں جو آگ لگی ہے اسے بجھائیں اور مسلمانوں کو ہوش کے ناخن لینے اور صحیح سمت کی طرف متوجہ کریں؟ وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ ایسے وقت میں غائب ہو سکتے ہیں؟ نہیں، وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔ وہ آگے بڑھے اور لوگوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے دائیں بائیں کرتے بلند جگہ پر پہنچ گئے تاکہ لوگ انھیں باآسانی دیکھ سکیں اور باآسانی ان کی بات سن سکیں۔ اس سے پہلے کہ فتنہ بھڑک اٹھتا اور وہ انھیں لمبے اختلافات میں جھونک دیتا۔ اُسید رضی اللہ عنہ کے کلمات نے اس بپھرے مجمع کے دلوں کو پرسکون کر دیا۔ امن و

اطمینان اور راحت کو ان کے دلوں میں داخل کر دیا۔

اُسید رضی اللہ عنہ نے اپنی انصاری قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے: تم سب جانتے ہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے، لہٰذا آپ کی خلافت کا حق بھی مہاجرین ہی کا بنتا ہے۔ ہم پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار (مددگار) تھے اور اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ ان کے خلیفے کے بھی انصار، مددگار اور معاون ثابت ہوں۔

تمام مسلمان اُسید رضی اللہ عنہ کے کلمات سے مطمئن ہو گئے اور اللہ نے ان کی جماعت کو ایک بڑے فتنے سے بچالیا اور یہ اجتماع سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے ساتھ اپنی انتہا کو پہنچا۔

واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا: ''اسید بہترین انسان ہے۔''[1]

اس کے بعد اُسید رضی اللہ عنہ نے اس وعدے کے انتظار میں بڑی عابدانہ اور زاہدانہ زندگی گزاری کہ جس کا وعدہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اور ان کے ساتھیوں سے ان الفاظ میں کر گئے تھے: ''حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات تک صبر کیے رکھنا۔''[2]

سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ان نادر افراد میں سے تھے جنھیں زمانہ خال خال ہی پیدا کرتا ہے۔ اسلام کے پہلے پہلے مدرسے سے تربیت یافتہ اور ان چنیدہ لوگوں میں سے تھے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ حق کے معاملے میں بہادر، کبھی نہ بخیلی کرنے والے سخی، بڑے نرم خو مگر ظلم کے مقابلے میں ڈٹ جانے والے۔ ان کا یہی طرز زندگی رہا حتی کہ ان کا وقت مکمل ہو گیا اور بیس ہجری کو اپنے محبوب سے جا ملے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی آخری آرام گاہ تک ان کے ساتھ گئے۔

[1] الطبقات الكبرىٰ: 605/3. [2] صحيح البخاري، حديث: 7441.

یہ عظیم ترین انسان فوت ہوا تو ان کے ذمے چار ہزار درہم قرض تھا، قرض خواہوں نے چاہا کہ ان کی تمام جائیداد بیچ کر ان کا قرض پورا کر لیا جائے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو ان کے قرض خواہوں کو بلایا اور فرمایا: اگر ہر سال ایک ہزار درہم لے لیا کرو اس طرح چار سال میں تمھاری رقم مکمل ہو جائے گی، ٹھیک ہے؟

قرض خواہ مان گئے۔ اور اس انداز سے ان کا قرض ادا کر دیا گیا۔ [1]

اے اکیسویں صدی کے مسلم حکمرانو! آج کون اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہے۔ جو اپنے رب اور اپنے دین کا اس حد تک خیال رکھنے والا ہو اور اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرتا ہوا اس انداز سے فوت ہو جائے کہ اس کی وراثت سے اس کا قرض ادا کیا جائے؟

اے محمد کے پیروکارو! کیا یہ امت بانجھ ہوگئی ہے کہ دوبارہ ان جیسے افراد نہیں جن سکی۔

[1] الطبقات الکبریٰ: 3/606، و الاستیعاب: 1/92.



آیت کا سبب نزول

اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے مابین زمانۂ جاہلیت میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اسلام سے پہلے ان کی جو آخری لڑائی ہوئی وہ جنگ بعاث تھی کہ جس میں 'حضیر الکتائب' اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے والد بھی قتل ہوئے۔ اور اُسید اب اپنے والد کے قتل کا بدلہ لینے کی خاطر ایک بڑی لڑائی کی ٹھان رہے تھے لیکن اللہ نے ان سے خیر کا ارادہ کر رکھا تھا اور انھیں اسلام کی توفیق دے کر ان کے درمیان محبت اور الفت ڈال دی۔

یہودیوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بات تکلیف دہ نہ تھی کہ ان دو متحارب جتھوں میں اتفاق ہو جائے کیونکہ اس کا واضح معنیٰ ان کی تجارت کا فساد اور ان کے بھید کا کھلنا تھا۔

اس لیے ضروری تھا کہ اوس اور خزرج میں پھر سے افتراق و اختلاف پھیل جائے تاکہ یہ پھر سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں اور ان کا مال بڑھتا رہے۔ جب وہ یہاں اختلاف نہ ڈال سکے تو انھوں نے لڑائی ڈالنے کے مصنوعی ہتھکنڈے آزمائے۔

ایک دن شاس بن قیس یہودی، جو ایک بہت بوڑھا شخص تھا اور مسلمانوں سے بڑی سخت عداوت رکھتا تھا، اوس اور خزرج کے صحابہ کے پاس سے گزرا جو کہ مل جل کر باتوں میں مصروف تھے۔ یہ ان کی جاہلیت کی دشمنیوں کے مقابلے میں آج ان کے

اکٹھے بیٹھنے اور ان کی اس الفت کو برداشت نہ کر سکا اور کہنے لگا: آج بنو قیلہ یہاں اکٹھے ہو کر بیٹھے ہیں۔ خدا کی قسم! جب تک یہ یوں اکٹھے بیٹھے ہیں ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے، یعنی وہ ان کو یوں ملا جلا بیٹھا دیکھ کر جل بھن گیا۔ اس کے ساتھ ایک یہودی لڑکا بھی تھا، اسے کہنے لگا: آؤ چلیں، ذرا ان میں بیٹھیں، پھر ان میں بیٹھ کر جنگ بعاث اور اس سے پہلے کے واقعات دہرانے لگا اور ان کے ایک دوسرے کی مخالفت میں کہے ہوئے اشعار پڑھنے لگا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ یہ جاہلیت میں ہونے والی ایک جنگ تھی جس میں اوس کا پلڑا بھاری رہا تھا۔ اس طرح لوگ اس کے متعلق باتیں کرنے لگے اور بات سخت کلامی سے ہوتی ہوئی لڑائی تک جا پہنچی۔ حتی کہ دونوں قبیلوں میں سے دو آدمی، اَوس بن قیظی قبیلۂ اَوس سے اور جبار بن صخر قبیلۂ خزرج سے، ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے حتی کہ ایک نے کہا: خدا کی قسم! اگر چاہوں تو تیرے ہاتھ، پیر اور سر کاٹ کے رکھ دوں۔ اس بات سے دونوں گروہ بھڑک اٹھے اور تلوار تلوار کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ چلو! ظاہرہ مقام پر فیصلہ ہوگا۔ اوس اور خزرج دونوں اپنے اسی جاہلانہ دعوے لے کر ظاہرہ مقام پر جمع ہونے لگے۔ ادھر جیسے ہی آپ ﷺ کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپ بھی اپنے ساتھ چند مہاجرین کو لے کر وہاں پہنچ گئے اور فرمایا: ''اے مسلمانوں کی جماعت! کیا اب بھی جاہلیت کی پکاریں؟ ابھی تو میں تم میں موجود ہوں! حالانکہ اللہ نے تمھیں اسلام کے ساتھ عزت بخشی، تم سے جاہلیت کے تمام داغ دھو دیے، تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت پیدا کر دی، اب پھر اسی طرف لوٹنا چاہتے ہو؟ اللہ سے ڈرو، اللہ کا خوف کرو۔''

آپ کے اس کلام سے لوگوں کو اپنی خطا کا احساس ہو گیا کہ ہم شیطان کی چال کا

شکار ہو گئے ہیں اور یہ سب ہمارے دشمن کی ایک چال ہے۔ انھوں نے وہیں اپنے ہاتھ سے تلواریں گرادیں، ایک دوسرے کے گلے لگ کر رونے لگے اور ایک دوسرے کو معاف کر کے رسول اللہ ﷺ کے سچے مطیع بن کر لوٹ آئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں کافر بنا کر چھوڑیں گے۔"[1]

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے اشارے پر ہم ایک دوسرے کے دست و گریبان ہونے سے رک گئے اور اللہ نے آپ کے ذریعے سے ہماری آپس میں الفت پیدا فرمادی۔ اس کے بعد آپ سے بڑھ کر ہمیں کوئی محبوب نہ تھا۔ میں نے اس دن سے پہلے اس سے زیادہ قبیح اور وحشت ناک کوئی دن نہ دیکھا تھا اور اس کے آخری حصے جیسا بہترین دن بھی کبھی نہیں دیکھا۔

عکرمہ سے روایت ہے: ایک مرتبہ اوس اور خزرج نے اسلحے لیے اور ایک دوسرے سے لڑائی کے لیے صفیں درست کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی، آپ ﷺ تشریف لائے اور دونوں کی صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر یہ آیات بلند آواز سے تلاوت کرنے لگے۔ جب ان کے کانوں میں یہ آیتیں پڑیں تو بڑے انہماک سے سننے لگے۔ جب آپ خاموش ہوئے تو تمام نے اسلحے پھینک دیے اور ایک دوسرے کے

[1] آل عمرٰن 3:100.

گلے لگ کر زار و قطار رونے لگے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ انصار اور انصار کی اولاد پر رحم فرمائے!



[1] الدر المنثور، وتفسير الطبري، والقرطبي، آل عمران 100:3، والسيرة النبوية لابن هشام: 558,557/2.

اسباق وفوائد

کل بھی اور آج بھی یہی یہودی تھے جنھوں نے تورات میں تحریف کی، اللہ کے متعلق من گھڑت باتیں کیں، انبیاء کو قتل کیا، ان پر ہر عیب جوئی کو روا رکھا اور ان پر گھناؤنے الزامات تک لگائے۔

تاریخ میں انھوں نے سب سے پہلے جو جرم کیا چوری تھی۔ انھوں نے مصریوں کی خواتین کو دھوکا دیا، ان کے سونے اور جواہرات پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد اس سے اپنا معبود بنا ڈالا۔

یہ قوم چوری چکاری، ڈاکے اور قبضوں میں بڑی ماہر ہے اور اس کے بڑے ہتھکنڈے جانتی ہے۔ وہ ڈاکے اور چوریاں انسانوں سے متعلق ہوں، چاہے علاقوں سے۔ ان تمام اسباب کے پیچھے یہ قوم ہمیشہ ضرور نظر آئے گی جس کے نتیجے میں جنگیں چھڑ جائیں، تہذیبیں مٹ جائیں اور علاقے نیست ونابود ہو جائیں۔

اسی پر بس نہیں بلکہ ہم ہمیشہ یہود اور ان کی اولادوں کو الحاد اور بد دینی پھیلانے، رسولوں اور ان کی تعلیمات ہی میں شکوک وشبہات پیدا کرنے میں مصروف عمل دیکھتے ہیں۔ ان تمام حرکات کے پیچھے ان کا مقصد یہی ہے کہ اخلاقیات کا جنازہ نکال کر گندگی پھیلا دی جائے، نوجوان کو پراگندہ کر دیا جائے، دنیا کے سونے پر قبضہ کر کے

دنیا کے اقتصاد کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔

انھوں نے سفید فام غلاموں کی تجارت کی، بے شمار گھروں اور خاندانوں میں افیون اور دیگر منشیات داخل کر دیں، رکیک فلمیں بنائیں اور ایسے طور اطوار کی اشاعت کی کہ جنھوں نے عمدہ اقدار اور عمدہ اخلاق کو تار تار کر دیا۔

عورت کو بے پردہ کر کے بازار میں خرید و فروخت کی سستی زینت بنا دیا۔

یہودیوں کے منشور ''پروٹوکولز'' میں لکھا ہے: ہم پر واجب ہے کہ اخلاقیات پر ایسی نقب زنی کریں کہ ہر جگہ یہ تباہ و برباد ہو جائیں، تب ہمیں حکومت کرنا آسان ہو گا اور دن دہاڑے، لوگ اپنی حیوانی خواہش پوری کرتے نظر آئیں تاکہ ایک نوجوان کی نظر میں تقدس نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے اور اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہو جائے کہ وہ اپنی نفسانی خواہش کو کہاں اور کیسے پورا کر سکتا ہے، تب اس کا اخلاق تباہ ہو گا۔

قرآن کریم نے یہودیوں کی بدخلقی، بری جبلت، کنجوسی، بزدلی اور ہٹ دھرمی، ریشہ دوانیوں، مکر و فریب اور ان کے حسد اور ان کی اخلاقی پستی پر ان کا خوب تعاقب کیا ہے۔

بزدلی تو ان کے دلوں میں رچی ہوئی ہے، اس کا تو ان سے عام اظہار ہوتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾

''وہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑ سکیں گے مگر ایسی بستیوں میں جو قلعہ بند ہیں یا دیواروں کی اوٹ میں، ان کی آپس کی لڑائی (دشمنی) بہت سخت ہے، آپ

انھیں اکٹھے سمجھتے ہیں جبکہ ان کے دل جدا جدا ہیں، یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔''[1]

اور ان کی بزدلی کہ یہ بھی دلیل ہے کہ وہ زندگی سے بڑی محبت کرتے اور موت سے ڈرتے ہیں اور ہر اس چیز سے بھاگتے ہیں جس میں انھیں یہ اندیشہ ہو کہ کہیں یہ انھیں موت کے قریب نہ لے جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾

''اور یقیناً آپ ان (یہودیوں) کو سب لوگوں سے بڑھ کر جینے کے حریص پائیں گے اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جنھوں نے شرک کیا، ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے: کاش! اسے ایک ہزار سال کی عمر مل جائے، حالانکہ اس قدر عمر کا ملنا بھی اسے عذاب سے بچانے والا نہیں اور جو عمل وہ کرتے ہیں اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔''[2]

بزدلی ان کی فطرت میں شامل ہے، اس لیے موت سے بہت خوف کھاتے ہیں اسی لیے جب لڑتے ہیں تو رات کے وقت لڑائی کو ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ان سے کہا کہ ان کے ساتھ فلسطین چلیں تو ان کے جواب کو قرآن مجید نے بیان کیا:

﴿قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا ۖ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾

''وہ کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم ہرگز اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب

[1] الحشر 14:59. [2] البقرة 96:2.

تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، چنانچہ تو اور تیرا رب جائے، پھر تم دونوں ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔'' [1]

اور ان کے دل کی سختی کی بھی اللہ تعالیٰ نے مکمل تصویر کشی کی ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

''پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے، چنانچہ وہ پتھروں کے مانند ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بے شک کچھ پتھر وہ ہیں کہ ان سے نہریں پھوٹتی ہیں اور بے شک ان میں سے کچھ وہ ہیں جو پھٹ پڑتے ہیں، پھر ان سے پانی نکلتا ہے اور بے شک ان میں سے کچھ وہ ہیں کہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔'' [2]

تاریخ رقم ہے کہ یہ قساوت ان کے دلوں میں، باہم کوئی معاملہ کرنے میں، لینے اور دینے کے معاملات میں ہمیشہ سے ان کا ورثہ بنی رہی ہے۔ جس کی آگ میں نہ جانے کتنی انسانیت خاکستر ہوئی۔ کتنے ہی بے گناہ اس کا شکار ہوئے اور ان کے خون بہا دیے گئے۔ مجال ہے کہ رحم وشفقت سے ایک بار بھی ان کا دل دھڑکا ہو۔

ان کے ایک مؤرخ 'کاسیوس' نے لکھا ہے: جب یہودی 'اندریا' کی قیادت میں طرابلس کے مغربی ساحل 'کیرین' کی جانب بڑھے تو انھوں نے وہاں رومیوں اور یونانیوں کو ذبح کیا، ان کے گوشت کھائے، ان کے خون پیے، ان کی کھالیں رنگ کر

[1] المآئدۃ 24:5. [2] البقرۃ 74:2.

استعمال کیں، بے شمار لوگوں کے جسموں کو سر کے درمیان سے دو حصوں میں چیر دیا اور بے شمار (افراد) کو درندوں کے آگے ڈال دیا۔

انھوں نے مصر اور قبرص میں بھی ایسا ہی کیا تھا۔

برطانیہ کے مشہور اخبار 'ڈیلی میل' نے ہسپانیہ کی جنگ کی بعض خبریں دیتے ہوئے لکھا ہے: ''قرطبہ میں انیس افراد ذبح شدہ اور باقی جلے ہوئے پائے گئے، ان میں سے بعض ابھی زندہ تھے جن میں سے دو افراد 'عذراء گرجے' کے راہب تھے جن کی آنکھوں میں موچی کی سلائیاں پھیر دی گئیں تھیں۔ اور 'سافیل' میں شیعوں نے ایک یہودی عورت کی قیادت میں حملہ کیا، تمام قیدیوں کو قتل کر کے ان کے جسموں میں پٹرول بھر کر ان میں آگ بھڑکائی۔''

یہودیوں نے سرزمین عرب پر فلسطین اور دیر یاسین نامی عرب بستی میں تمام بستی والوں جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو ایک صف میں کھڑا کیا اور ان پر مشین گنوں سے گولیوں کی بارش کر دی انھیں طرح طرح کی اذیتیں دے کر ذبح کر دیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے ان کے بچوں کو نکال کر انھیں بھی ذبح کیا۔ مقتولین کے اعضا کاٹ ڈالے، ان کے جسموں کے مثلے کیے حتی کہ انھیں پہچاننا محال ہو گیا۔

یہود یہی وحشی طبیعت رکھتے ہیں۔ شروع سے وہ اسی پر کاربند ہیں اور آج تک اسی طرز عمل کو اپنائے ہوئے ہیں۔

جہاں قرآن نے ان کی بزدلی اور سنگ دلی کا ذکر کیا ہے وہاں ان کے انبیاء کو قتل کرنے، ان پر جھوٹ کہنے اور نعوذ باللہ ان پر فحاشی اور زنا جیسے اتہام لگانے کا ذکر بھی

کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۘ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾

”اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد اس کے پیچھے پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزات دیے اور اسے روح القدس (جبریل) کے ساتھ قوت دی، کیا پھر جب کبھی تمھارے پاس کوئی رسول وہ چیز لایا جسے تمھارے نفس نہ چاہتے تھے تو تم نے تکبر کیا، پھر تم نے ایک فریق کو جھٹلایا اور دوسرے فریق کو تم قتل کر دیتے رہے۔“[1]

اور فرمایا:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَاۗءَهٗ ۤ وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَاۗءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی (کتاب) پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور وہ اس کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے، کہہ دیجیے: پھر اس سے پہلے تم اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو اگر تم مومن تھے؟“[2]

جب ان لوگوں کا انبیاء کے ساتھ ایسا رویہ رہا ہے تو یہ عام انسانیت کے ساتھ کیا

[1] البقرۃ 87:2. [2] البقرۃ 91:2.

کرتے ہوں گے............؟

یہ ان کے ساتھ دھوکے اور فراڈ کرتے ہیں تاکہ انھیں ان کے عقیدے سے متزلزل کر دیا جائے اور اس کی ان کے دلوں میں کوئی اہمیت باقی نہ رہے، جو لوگ ان کے مذہب پر نہیں ہوتے انھیں زیر کرنے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہر حیلہ اور چال استعمال کرتے ہیں۔ بیسویں صدی اس بات پر گواہ ہے کہ مکر و فریب ان کے ریشے ریشے میں کس قدر پیوست ہے، ان کے بے شمار لوگوں نے ظاہراً اسلام کا لبادہ صرف اس لیے اوڑھا ہے تاکہ اسلامی خلافت کو ختم کر سکیں اور پھر ان کا وہ مقصد پورا ہوگیا۔ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بدخواہی میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ 'قراصو' یہودی انھی تین افراد میں سے ایک تھا جنھوں نے سلطان کو ایسے حالات تک پہنچا دیا تھا کہ اس کے لیے خلافت کے خاتمے کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ بچا تھا اور بعد ازاں یہی شخص سلطان کے پاس یہودیوں کا پیغام لے کر آیا تھا کہ اسے بتا دے کہ ہماری چال کامیاب ہوگئی ہے اور ہم اسی دن سے تمھاری خلافت ڈھانے کے لیے کوشاں ہوگئے تھے جب تم نے ہمیں عرب کی زمین کا ایک قیمتی ٹکڑا بیچنے سے انکار کر دیا تھا اور ہمارے سفیر 'ہرتزل' کو انکار کر کے واپس کر دیا تھا۔

اتنی جلدی ہم ان کے مکر و فریب کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ان کے تمام عزائم کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ ضروری ہے کہ تمام مسلمان ابھی سے ہر لحظہ ان سے ہوشیار رہیں۔ ان کا معاملہ صرف سقوط خلافت تک یا عرب کی قیمتی زمین کے حصول تک موقوف نہیں بلکہ معاملہ اس سے کہیں خطرناک اور گھمبیر ہے۔

اپنے آباء کی روش کے مطابق آج کی دنیا کا یہودی بھی اس وقت تک آرام اور

سکون سے نہیں بیٹھے گا جب تک مسلمانوں کے ایک ایک بچے کو ان کے دین سے برگشتہ کر کے الحاد میں دھکیل کر ان کے دین اور اخلاق کا جنازہ نہ نکال دے۔

اس کے لیے وہ تمام تر وسائل استعمال کر رہا ہے حتی کہ تلمود میں ذکر کردہ نیل سے فرات تک مکمل دنیا پر حکومت والے جھوٹے مزعومہ خواب کو سچ نہ کر دکھائے۔

حالانکہ اصل وعدہ تو وہ ہے جو اللہ نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْــــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

”جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، پھر جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔“[1]

اے مسلمانوں کے قائدو اور حکمرانو ....! تمھارے سامنے راستہ واضح ہے، اگر تم سوچ کر قدم بڑھاؤ اور اس کے لیے تیاری کرو تو کل تمھارا ہی ہے۔ کیا ایسا کرنے کا عزم رکھتے ہو............؟

[1] النور 24:55.

عبداللہ بن سعد بن ابی السرح رضی اللہ عنہ

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾

''اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے، حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہیں کی گئی اور جس نے کہا کہ میں بھی ایسی چیز نازل کرسکتا ہوں جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔ کاش! آپ ظالموں کو اس حال میں دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوتے ہیں اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تمھیں بدلے میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ پر ناحق باتیں گھڑتے تھے اور اس کی آیتیں سن کر تکبر کرتے تھے۔''[1]

[1] الأنعام 93:6.





عبداللہ بن سعد بن ابو السرح رضی اللہ عنہ

یہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جنھوں نے خوشی خوشی اسلام قبول نہیں کیا بلکہ جب انھیں دعوت دی گئی تو انھوں نے بڑھ چڑھ کر اس کی مخالفت کی، اس کے ماننے والوں کا مذاق اڑایا اور کئی لاچار لوگوں کو اذیتیں بھی دیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے متعلق یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ یہ پھیل کر اور مکمل ہو کر رہے گا۔

اس کے نور کو پھیلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہجرت کا حکم فرمایا تاکہ یثرب اسلام کی مضبوط بنیاد بن سکے اور اس کی گھاٹیوں سے اس کے دین کو پھیلانے، اور اس کی حدود کی حفاظت کے لیے لشکر نکلیں۔

پے در پے مہاجرین کے وفد آنے لگے، مکہ کے نوجوان اور بوڑھے ایک دوسرے سے آگے بڑھ بڑھ کر مدینہ کا رخ کرنے لگے تاکہ آپ کے قرب سے فیض یاب ہو سکیں۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بھی انھی لوگوں میں سے ایک تھے جو مدینہ کی جانب نکلے اور آپ ﷺ نے ان کا استقبال بھی ویسی ہی گرم جوشی اور اہتمام سے فرمایا جیسے دوسرے مہاجرین کا فرماتے تھے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اضافی اعزاز یہ بخشا کہ انھیں اپنے خاص

قریبیوں میں شامل کیا اور وحی کی کتابت کرنے والوں میں شامل فرمایا لیکن زیادہ دیر ایسا نہ ہو سکا، شیطان نے ان پر حملے کیے اور وہ مرتد ہو کر دوبارہ مکہ لوٹ گئے حتی کہ ایک بڑی فتح، فتح مکہ کا وقت آ گیا، [1] اسلامی لشکر بلد حرام میں داخل ہو گئے۔ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا گیا۔ اس وقت مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص حکم ملا: چند نامزد کافر ہیں، وہ جہاں بھی ملیں انھیں قتل کر دیا جائے حتی کہ اگر وہ بیت اللہ کے غلاف کے اندر بھی پناہ لیے ہوئے ہوں تو بھی معاف نہ کیا جائے۔ ان میں عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، عبداللہ بن سعد کے نام شامل تھے۔ اللہ کے لشکر کے کارندے انھیں چپے چپے میں تلاش کرنے لگے۔ عبداللہ بن سعد نے بھانپ لیا کہ وہ ان کے ہاتھ سے کبھی نہیں بچ سکتے، چنانچہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھاگے کیونکہ یہ ان کے رضاعی بھائی تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا اور چند دنوں بعد بچتے بچاتے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں امان طلبی کے لیے لے کر حاضر ہو گئے، ان کے لیے امان طلب کی تو آپ کافی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: ''چلو، ہم نے اسے امان دی۔'' جب عثمان رضی اللہ عنہ انھیں لے کر واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے اردگرد بیٹھے لوگوں سے فرمایا: ''میں اتنی دیر صرف اس لیے خاموش رہا کہ تم میں سے کوئی اٹھے گا اور اس کی گردن اتار دے گا۔'' ایک انصاری کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے اشارہ کیوں نہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ وہ آنکھوں سے اشارے کرے۔'' [2]

عبداللہ بن سعد فتح مکہ والے دن پھر سے مسلمان ہو گئے اور بہت خوب مسلمان

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 53/4. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 53/4، و المسند الجامع: 120/6، و سنن أبي داود، حديث: 2683.

ہوئے اور اس کے بعد ان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا کہ جس بنا پر ان پر کوئی طعن کیا جا سکے۔ جب گزشتہ ایام کی تلافی میں ان کی ندامت سے توبہ بھرے آنسو گرے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میرا رب میری وہ زیادتیاں معاف فرما دے گا جو میں نے اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے ساتھ روا رکھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام اپنے سے پہلے کی تمام برائیوں کے گناہوں کو ختم کر ڈالتا ہے۔'' ان تمام باتوں کے باوجود عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑی دیر خجالت اور ندامت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے نہیں ہو پاتے تھے، جہاں آپ کو دیکھ لیتے نظریں چورا کر دائیں بائیں ہو جاتے۔[1] ایک روز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سمجھایا تو پھر وہ آپ ﷺ سے باقاعدہ ملاقات رکھنے لگے۔ آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ کے فرامین سنتے اور جو موتی آپ کے دہن مبارک سے جھڑتے انھیں سمیٹتے اور یاد رکھتے۔

دن یوں ہی گزرتے رہے اور ایک دن عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا شمار معتمد اور نامی گرامی صحابہ میں ہونے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مسلمانوں نے مصر فتح کرنا چاہا تو عمرو بن عاص کے لشکر کے میمنہ کی قیادت کا حکم نامہ ان کے نام نکلا۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ قریش کے سرداروں میں سے تھے اور ان کے بڑے نامور شاہسوار تھے، بڑے بڑے معرکے ان کی بہادری، مضبوطی اور سپہ گری پر گواہ تھے۔

گویا کہ ان کا ارادہ تھا کہ یہ معرکہ جو جزیرۂ عرب سے باہر لڑا جائے گا اس میں وہ داد شجاعت دے کر اپنی ماضی کی غلطیوں کی تلافی کریں گے۔ اور معرکے کی مشکلات برداشت کر کے اپنے نفس کا تزکیہ کر سکیں گے۔ واقعی اس معرکے میں انھوں نے بڑی

[1] المغازي للواقدي: 2/856.

بہادری دکھائی اور بڑی جانفشانی سے لڑے اور رب کی خاص رحمت سے یہ خون آشام معرکہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی فتح کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچا۔

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس بہادر کی مہمات اور اس کی بہادری کا پتا چلا تو انھوں نے ان کے لیے علاقہ، صعید کے والی ہونے کا پروانہ جاری کر دیا۔ وہ مبارک سرزمین جو مصر کا علاقہ ہے، جو اپنے نام کی عمدگی اور اپنے بہترین موسموں کے ساتھ ممتاز ہے، جس کے لوگ مضبوط اور زمین بڑی زرخیز ہے جس میں ایسے لوگ تھے کہ انھوں نے جیسے ہی اسلام کا گھونٹ بھرا اس کی دعوت دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کے لیے ایسی خدمات سرانجام دیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے پاس زاد (توشے) کے طور پر سوائے تقویٰ کے کوئی چیز نہ تھی، اسلحے کے طور پر سوائے ایمان کے اور کچھ نہ تھا، شہادت یا دین کے غلبے کے علاوہ کوئی مطلب نہ تھا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں بہت عمدہ طریقے سے رہے۔ وہ ان سے محبت کرتے تھے اور انھوں نے بھی محبت کا بدلہ محبت ہی سے دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ برسر خلافت آئے تو بھی یہ اپنے عہدے پر قائم تھے اور انھوں نے نیا فرمان یہ جاری کیا کہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ تمام مصر کے خراج کے مسؤل بھی ہوں گے، جیسے ہی وہ اس منصب پر آئے تو مصر کے والی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان شکر رنجی پیدا ہونا شروع ہو گئی اور اس معاملے کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچایا گیا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو یہاں سے معزول کر دیا جائے۔

سیدنا عثمان نے انکار کر دیا اور کہا:

اے عمرو! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں 'صعید' کا والی مقرر کیا تھا اور تم جانتے ہو کہ سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان کوئی خاص تعلق اور رشتہ داری بھی نہ تھی اور تم جانتے ہو کہ وہ میرے رضاعی بھائی بھی ہیں، میں انھیں اس جگہ سے کیسے معزول کر سکتا ہوں کہ جس پر انھیں کسی اور نے مقرر کیا تھا............؟

عمرو ناراض ہو گئے اور کہا: تو پھر میں وہاں اپنے کام پر نہیں جاؤں گا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مکمل مصر کی ولایت کا حکم نامہ صادر کر کے بھیج دیا۔[1]

جب عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جگہ خلیفہ ہونے کا پروانہ ملا تو انھوں نے اسے خوب اچھی طرح نبھایا اور مصر پر مقرر رہے۔

پھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دوبارہ مصر گئے، اپنا مال وغیرہ سمیٹا اور اہل وعیال کو لے کر مدینہ لوٹ آئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور پوچھا:

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کیسے تھے؟

عمرو رضی اللہ عنہ: جیسے آپ نے چاہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ: وہ کیسے؟

عمرو رضی اللہ عنہ: اپنے معاملات میں مضبوط اور اللہ کے معاملات میں کمزور۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ: میں نے انھیں حکم دیا تھا کہ آپ کے معاملات کی پیروی کریں۔

عمرو رضی اللہ عنہ: آپ نے انھیں بہت مشکل کام کا مکلف بنا دیا ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دور میں مصر کا خراج اور جزیہ 20,00000 بیس لاکھ درہم آتا تھا جبکہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے دور میں 40,00000 چالیس لاکھ درہم آنے لگا۔

---

[1] تسمیة ولاة مصر: 2/1.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا: مصر کی اونٹنیوں نے تمھارے بعد بہت خوب دودھ دیا ہے۔

عمرو رضی اللہ عنہ: یہ سب اس لیے ہوا کہ آپ لوگوں نے ان کے بچوں کو بھوکا کر دیا۔ [1]

لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ وہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور ان کی جگہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مقرر کرنے پر کیوں مجبور ہوئے؟

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ پر حکم چلانا آسان تھا جیسا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ میں نادر ایسی بہت سی خوبیاں تھیں جو انھیں اس قابل بناتی تھیں۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے اور اس لحاظ سے ان سے بہت مخلص بھی تھے۔ وہ اس احسان کو، جو انھوں نے ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان دلوا کر کیا تھا، کبھی بھول نہیں سکتے تھے۔ بالکل اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کا یہ احسان نہیں بھلا سکتے تھے جب عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے اشارہ کیا تھا کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ قریش کی مخالفت نہیں کرو گے تو عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لو۔ [2]

انھی چیزوں سے وہ ولایتِ مصر کے حق دار ٹھہرے اور یہی وہ چیزیں ہیں جو ان کی حسن سیاست اور مردم شناسی کا پتا دیتی تھیں اور اسی وجہ سے وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر چھا گئے اور ان کی رضا مندی سے ہمکنار ہوئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس لحاظ سے ان سے مطمئن تھے اور اس بات سے بھی بے خوف تھے کہ وہ کسی وقت ان کے خلاف خروج

---

[1] تاریخ یعقوبی: 114/2. [2] الكامل في التاريخ 478/1، و تاريخ ابن خلدون: 126/2.

کریں گے، جب وہ مصر میں اپنے قدم جما چکے اور تمام معاملات کو سنبھال بیٹھے تو انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر خبر دی کہ افریقہ ہمارے بہت نزدیک ہے۔ اور ان سے وہاں جہاد کی اجازت چاہی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو اکثریت نے آگے بڑھنے اور اہل افریقہ کو اسلام کی دعوت دینے کی رائے دی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے لشکر تیار کیے اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک بڑے عظیم لشکر کی کمک بھیجی۔ اس لشکر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے جگر گوشوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی اور کئی اولین دور میں اسلام قبول کرنے والے بزرگ بھی شامل تھے، مثلاً: سیدنا عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن جعفر، حسن و حسین رضی اللہ عنہم۔ اسی مناسبت سے اس لشکر کو 'جیش العبادلہ' کہا جانے لگا کہ جس میں بیک وقت عبداللہ نام کے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بیس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر افریقہ کی جانب بڑھے، جب وہ 'برقہ' مقام پر پہنچے تو انھیں وہاں اسلامی لشکر کے معروف قائد عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے خوش آمدید کہا اور ان کا خیر مقدم کیا اور وہ بھی اپنے لشکر سمیت ان کے ساتھ مل گئے۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی وہاں کی ایک بڑی مضبوط اسلامی قوت تھے۔ یہ لشکر اکٹھا ہو کر طرابلس کی جانب بڑھا، پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر افریقہ کی جانب بڑھ گئے۔

انھوں نے اپنے کئی دستے اور فوجی ٹولیاں دائیں بائیں پھیلا دیں تاکہ یہاں کے زمینی خدوخال اور موسم کے متعلق معلومات جمع کر کے اسی کے مطابق پیش قدمی کر

سکیں۔ وہ دستے مختلف معلومات کے ساتھ ساتھ ان کے بادشاہ 'جرجیر' کی فوجی قوت و طاقت کی بھی خبریں لائے اس کی حکومت زمین کے بہت بڑے خطے پر تھی جو کہ طرابلس سے لے کر 'طنجہ' کے آخری کنارے تک پھیلی ہوئی تھی، جرجیر کی حکومت کا دارالخلافہ 'قرطاجنہ' تھا، جہاں سے وہ قیصرِ روم ہرقل کو خراج وغیرہ بھیجتا تھا اور قیصر ہی اس زمین کا اصل بادشاہ تھا۔

'عقوبہ' مقام پر مسلمانوں کا جرجیر کی فوج سے آمنا سامنا ہوا، اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی، وہیں دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا تھا۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے روم کے بادشاہ جرجیر سے مراسلت کر کے اسے اسلام کی دعوت دی یا پھر جزیہ دینے کا حکم دیا، اس نے بڑے تکبر سے دونوں باتوں کو رد کر دیا۔

پھر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے لڑائی شروع کی، یہ لڑائی کئی دن جاری رہی حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی معیت میں مسلمانوں کو کمک بھی پہنچ گئی۔

جب جرجیر کو مسلمانوں کی اس کمک اور تعداد کا پتا چلا تو اس کی ہمت ٹوٹ گئی۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی لڑائی صبح شروع ہوتی ہے اور ظہر تک جاری رہتی ہے۔ جب ظہر کا وقت ہو جاتا ہے تو ہر لشکر اپنی کمین گاہوں میں چلا جاتا ہے۔

انھوں نے ایک دن عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو معرکے میں نہ پا کر ان کے متعلق سوال کیا تو بتایا گیا کہ انھوں نے جرجیر کے منادی کو کہتے سنا تھا: جس نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اسے ایک لاکھ دینار بطور انعام ملے گا اور ساتھ ہی اسے اپنی بیٹی کا رشتہ بھی دوں گا تو وہ اس بات سے خوف زدہ ہو کر سامنے نہیں آ رہے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ ان کی مجلس میں حاضر ہوئے اور انھیں سمجھایا کہ وہ مسلمانوں کے

درمیان کسی منادی کو حکم دیں، وہ ان میں اعلان کرے کہ جو میرے پاس جرجیر کا سر لائے گا اسے نقد ایک لاکھ انعام دیا جائے گا، اس کے ساتھ اپنی بیٹی بھی بیاہ دوں گا نیز اسے اس کے علاقے کا والی بھی بنا دیا جائے گا' انھوں نے جب یہ اعلان کروایا تو جرجیر عبداللہ سے زیادہ دہشت زدہ ہو گیا۔

ایک دن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا: ان کے ساتھ ہماری لڑائی بڑھتی جارہی ہے، یہ ان کے علاقے ہیں، انھیں مسلسل مدد مل رہی ہے۔ ہم تو اپنے مسلمان بھائیوں اور اپنے علاقوں سے بھی کٹے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کل ہم اپنے خیموں میں بہترین لڑاکا افراد کی ایک تیار جماعت چھوڑ جائیں اور خود ان سے جا کر لڑتے رہیں حتی کہ وہ اکتا کر تھک جائیں، جب وہ بھی اور ہم بھی اپنے اپنے خیموں کو لوٹیں گے تو وہ لوگ جو اپنے خیموں میں تھے اور لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے تازہ دم ہوں گے اور وہ سوار ہو کر ان پر یکبارگی حملہ کر دیں گے، اس طرح ہم ان پر اچانک دھاوا بول دیں گے۔ کیا پتا اللہ تعالیٰ اس انداز سے ہمیں ان پر فتح نصیب فرما دے۔ لڑائی دھوکے کا دوسرا نام ہے۔

جو بڑا قائد ہوتا ہے وہ صرف قوت ہی اکٹھی نہیں کرتا بلکہ وہ کبھی خون ریز جنگ لڑاتا ہے اور کبھی دشمن پر اچانک دھاوے بولتا ہے اور جو کمانڈر اپنے دشمن کی نفسیات کو پہچانتا ہے اس کی یہ پوری کوشش ہوتی ہے کہ لڑائی میں کم سے کم وقت صرف ہو اور مدد اور نصرت جلد اس کے قدم چومے۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بتائے طریقہ کار سے متفق ہوئے اور انھوں نے اسے نافذ کیا، ایک بھرپور ٹریننگ یافتہ دلیر جوانوں کی تعداد کو انھوں نے خیموں میں

چھوڑ دیا۔ ان کے گھوڑے تیار حالت میں ان کے خیموں کے باہر بندھے ہوئے تھے اور خود ظہر تک رومیوں سے بھرپور لڑائی کی، جب ظہر کی اذان ہوئی تو رومیوں نے سمجھا کہ عادت کے مطابق اب لڑائی رک جائے گی لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے لڑائی بند نہ کی اور انھیں اتنا مصروف رکھا کہ وہ تھک کر چور ہوگئے، پھر وہ اپنا لشکر لے کر اپنے خیموں میں لوٹ آئے۔ طرفین کے لشکروں نے اسلحے اتار دیے اور رومی تو بے حد تھک چکے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے تازہ دم سوار لیے اور رومیوں پر ہلہ بول دیا، انھیں تب ہی پتا چلا جب وہ ان کے سروں پر پہنچ چکے تھے اور یکبارگی تکبیر کے نعروں میں ایسا حملہ کیا کہ انھیں اسلحہ اٹھانے کی بھی مہلت نہ ملی۔ ان کے بے شمار لوگوں کو قتل کر دیا اور ابن زبیر نے جرجیر کا خیمہ پہچان کر اس کا محاصرہ کر کے اسے قتل کر ڈالا اور اس کی بیٹی کو بھی قیدی بنا کر ساتھ لے آئے۔

اس انداز سے وہاں اس علاقے میں اسلام کا جھنڈا لہرا گیا۔ اللہ اکبر کی آواز اس کے کونے کونے میں گونجنے لگی اور اللہ نے مسلمانوں کی بڑی زبردست مدد فرمائی۔

مسلمانوں کا لشکر آگے بڑھتا گیا اور سبیطلہ تک پہنچ گیا۔ ابن سعد رضی اللہ عنہ کو وہاں سے اتنا مال و دولت ملا جو کہیں اور نہیں پایا۔ مجاہدین کے ایک ایک گھڑ سوار کو تین تین ہزار دینار اور پیادہ کو ایک ایک ہزار دینار دیے گئے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر افریقہ کے اندر داخل کر دیے حتی کہ وہ قفصہ تک پہنچ گئے اور انھیں بے شمار قیدی اور بے انتہا مال ہاتھ آیا۔ اسی طرح لشکر چلتے چلتے 'حصن الاجم' پہنچا جہاں کے باسیوں نے اُسے اپنی حفاظت میں لے رکھا تھا، مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا اور امن و امان سے اسے فتح کر لیا۔

بالاخر افریقہ والوں نے ان سے بیس لاکھ پندرہ ہزار دینار پر صلح کر لی۔ [1]

اس انداز سے سیاہ فاموں کی پٹی فتح ہو گئی اور وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور اللہ کی وحدانیت کا جھنڈا اس کے کونے کونے میں لہرانے لگا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ افریقہ کی فتح کی خوش خبری لے کر خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اور ابن سعد رضی اللہ عنہ افریقہ میں ایک سال تین ماہ گزارنے کے بعد اہل مصر کی ذمہ داریاں اور ان کے فرائض ادا کرنے کے لیے فاتح بن کر مصر لوٹ گئے۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے ایک گھر کا نقشہ بنایا اور بہت بڑا قصر بنوایا جسے 'قصر الجن' کہا جاتا تھا۔ انھوں نے اسے بنانے کا تب حکم دیا تھا جب وہ مغرب کی جانب افریقہ میں جہاد کے لیے گئے تھے۔ جب لوٹے تو مقداد بن اسود کندی سے پوچھا:

تمھیں یہ گھر کیسا لگا؟

مقداد: اگر تو آپ نے اسے اپنی ذاتی جیب سے بنایا ہے تو اسراف کیا ہے اور اگر مسلمانوں کے مال سے بنایا ہے تو ان کا مال ضائع کیا ہے۔ [2]

مقداد ایسے معاملات میں مداہنت سے کوسوں دور تھے۔ اور وہ کام انھیں کبھی نہیں بھاتا تھا جو اسلام کے اصولوں کے منافی ہو۔ وہ جو سچ سمجھتے سر عام منہ پہ کہہ ڈالتے اور کسی بڑے سے بڑے حاکم کے سامنے بھی حق کہنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

ذرا تصور کریں کہ مسلمانوں کی ترقی اور عظمت کا کیا مقام ہوگا جب حکام کے مقربین وخواص بھی انھیں کبھی نصیحت کرنے اور ان کے منہ پہ حق اور سچ کہنے سے نہ

---

[1] الكامل في التاريخ: 1/485,484. [2] شعب الإيمان: 13/242.

چوکتے ہوں گے۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے مقداد کی رائے سنی تو سن کر ناراض نہیں ہوئے بلکہ اپنے نفس میں اپنے دین اور اپنی رعایا کے سامنے پشیمان ہوئے اور کہا: اگر کوئی یہ نہ کہتا کہ اب اور نقصان کر رہے ہو تو میں اسے ضرور ڈھا دیتا۔[1]

ایک اور معرکہ بھی قابل ذکر ہے۔ جب عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے تو اس معرکے کا ذکر بھی ضرور آتا ہے۔ ''معرکہ 'ذات الصواری۔'' اس کا سبب یہ بنا کہ رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف چڑھائی کرنے کے لیے ایک بہت بڑی بحری فوج تیار کی جس میں صرف ان کے استعمال ہونے والے بحری جہازوں کی تعداد پانچ سو یا چھ سو تھی اور مسلمانوں کے پاس صرف دو سو کشتیاں تھیں۔ یہ 34ھ کا واقعہ ہے۔

جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں کے اس بہت بڑے لشکر کی چڑھائی کی خبر ملی تو وہ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: مجھے خبر ملی ہے کہ ہرقل کا بیٹا ایک ہزار بحری جہازوں سے تم پر حملہ کرنے والا ہے، بتاؤ: کیا کیا جائے؟

کسی مسلمان نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابن سعد رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے، پھر دوبارہ کھڑے ہوئے اور ان کے سامنے مسئلہ رکھا مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا، پھر بیٹھ گئے اور پھر تیسری مرتبہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: تمھیں بتانا پڑے گا کہ کیا کیا جائے، مجھے بتاؤ: کیا کریں؟

ایک شخص کھڑا ہوا جو کہ ابن سعد رضی اللہ عنہ سے بڑی چاہ رکھتا تھا اور بولا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے کئی بڑی جماعتوں پر

[1] مختصر تاریخ دمشق: 208/4.

غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" اس سے ابن سعد رضی اللہ عنہ کا بھی حوصلہ بلند ہوا اور لوگوں میں بھی تو انھوں نے حکم دیا: چلو، اللہ کا نام لے کر سوار ہو جاؤ۔ [1] تمام لوگ سوار ہو گئے اور ان کا ہر جہاز آدھا خالی تھا کیونکہ ان کا آدھا لشکر کسی اور مقام پر زمینی لڑائی میں مصروف تھا۔

ادھر سے اہل شام بھی آگئے اور ان کی کمان معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما فرما رہے تھے۔ بحری فوج کے سربراہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ خود تھے۔ اتفاقاً ہوا بھی مسلمانوں کی مخالف سمت چل رہی تھی۔ دونوں لشکر رکے رہے حتی کہ ہوا رک گئی۔ مسلمانوں نے کہا: آج رات ہم ایک دوسرے کی امان میں ہیں۔ رومی رات بھر سوئے رہے اور مسلمان ساری رات قرآن کی تلاوت اور نماز میں مصروف رہے۔

صبح ہوئی تو رومی لڑائی کے لیے جمع ہونے لگے۔ انھوں نے اپنے جہاز قریب کیے تو انھوں نے بھی اپنے جہاز قریب کر دیے۔ تمام جہازوں کو ایک دوسرے سے باندھ دیا گیا۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی صفیں بنا دیں اور انھیں قرآن پڑھنے اور صبر کرنے کی تلقین کی۔

فریقین میں تلواروں اور خنجروں سے خون ریز لڑائی ہوئی، مسلمانوں کے کافی لوگ شہادت سے سرفراز ہوئے اور رومی جتنے قتل ہوئے وہ تو گنتی ہی میں نہیں آتے تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے بے مثال ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ اس لڑائی میں رومیوں کا بادشاہ اور قائد "قسطنطین" بھی زخمی ہو گیا اور ان میں سے تھوڑے ہی بچ کر جا سکے۔ [2]

[1] الاکتفاء بما تضمنه من مغازي: 58/4. [2] الكامل في التاريخ: 494/1.

اس لڑائی میں عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ خود بھی ایک بڑے خطرے سے بال بال بچے۔ انھوں نے اپنی کشتی رومیوں کی کشتی سے ملا رکھی تھی، قریب تھا کہ وہ ان کی کشتی کو کھینچ لے جاتے مگر ایک شخص نے آگے بڑھ کر بجلی کی سی تیزی سے وہ زنجیر کاٹ ڈالی جس سے کشتیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اس طرح عبداللہ شہادت یا گرفتاری کے خطرے سے بچ گئے۔

عبداللہ نے معرکہ ذات الصواری میں بڑی جوانمردی کا ثبوت دیا اور یہ ایسا معرکہ ثابت ہوا کہ جس نے مصر اور شام سے رومیوں کا خطرہ ٹال دیا اور اسلامی لشکر نے اپنی چھاؤنیوں اور چوکیوں کو دشمن کی افواج کے حملوں سے محفوظ کر لیا۔ اس دوران میں انتہائی مختصر وقت میں لڑاکا اسلامی لشکر نے ان کے گھوڑوں کی بڑی مضبوط طاقت کو شل کر کے رکھ دیا تھا جو کہ ہر وقت ان کے لیے خطرے کی ایک گھنٹی تھی جس سے وہ انھیں موقع بموقع ڈراتے رہتے تھے۔

مگر یہاں کچھ ایسی علامات افق پر پھیلتی جا رہیں تھیں جو کبھی نہ ختم ہونے والی ایک مصیبت سے ڈرا رہی تھیں، جو گھپ اندھیری رات کی مانند ان پر چڑھنے والی تھی لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ مصیبت کب ظاہر ہوگی۔

یہ ڈر اور خوف باہر والوں کی جانب سے نہیں تھا، باہر والی تو تمام طاقتیں ان کی قوت کے آگے سرنگوں تھیں۔

یہ ایسا فتنہ تھا جو انھی کے اندر سے پھوٹ رہا تھا لیکن بڑا بے وقت آ رہا تھا کہ جب ان کے لیے دنیا اپنے تمام دروازے کھول چکی تھی اور ان پر خیر و برکت کی اتنی موسلا دھار بارش تھی جو شمار سے باہر تھی۔

فتنے کی ابتدا کچھ اس طرح ہوئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ بلایا تو محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مصریوں کو لے جا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرلیا۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ کو راستے میں محمد بن ابی حذیفہ کی شرارت کا پتا چل گیا مگر وہ اب کیا کر سکتے تھے؟ واپس مصر لوٹ جائیں اور جا کر وہیں قید ہو جائیں؟ یا مدینہ ہی چلے جائیں لیکن ان کے بس میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس سے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں؟

دوسری رائے غالب آئی اور مدینہ کی جانب چل پڑے، وہاں پہنچے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور پایا تو اشعار کہے:

”میں ایسا معاملہ دیکھ رہا ہوں کہ جس کا شر بڑھتا اور چڑھتا ہی جا رہا ہے۔

اور یہاں ہمارے مددگار بھی بہت تھوڑے ہیں۔

ہم مدینہ والے اہل مصر کی خواہشات کا شکار ہو کر رہ گئے۔

اور ذلیل شخص جہاں بھی ہو وہ ذلیل ہی ہوتا ہے۔“ [1]

اور محمد بن ابی حذیفہ کے متعلق کہا: ”اللہ تعالیٰ محمد بن ابی حذیفہ کا برا کرے! اس نے اپنے چچا زاد کے خلاف بغاوت کر ڈالی اور اس کی مخالفت کی جرأت کی، حالانکہ اس نے اس کی کفالت کی تھی، اس پر بے شمار احسانات کیے تھے اور اس نے ان احسانات کی ناقدری کرتے ہوئے اس سے برا سلوک کیا، اس کے عاملوں پر چڑھ دوڑا اور اسے قتل کرنے کے لیے لشکر بھیج دیے اور اس علاقے پر ایسے شخص کو حکمران بنا

[1] الوافی بالوفیات:5/394.

ڈالا جو اس کی اپنی اور عثمان رضی اللہ عنہ کی سوچ سے بھی دور تھا، جو مصر میں اس کے اقتدار کا سال یا مہینہ بھر بھی تحفظ نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ اسے اس (اقتدار) کا اہل ہی سمجھتا ہے۔''

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ مدینہ سے مصر لوٹ گئے، وہاں پہنچے تو محمد بن ابی حذیفہ نے انھیں فسطاط میں داخل ہونے سے روک دیا تو وہ عسقلان کی جانب چلے گئے، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک وہیں رہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فتنوں سے بچتے ہوئے رملہ ہی میں خانہ بدوش رہے۔ ایک دن انھوں نے اپنے رب سے دعا کی: اے اللہ! میرے اعمال کا خاتمہ صبح کے وقت کرنا۔ کہا جاتا ہے: انھوں نے ایک دن وضو کیا صبح کی نماز پڑھی اور ان کی روح جسد خاکی سے پرواز کر گئی۔[1]

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اللہ کے کلمے کی سربلندی، جہاد فی سبیل اللہ میں ایک لمبی زندگی گزار کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

انھوں نے اللہ کے دین کی نشر و اشاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پھیلانے میں جتنی محنتیں کیں اللہ انھیں اس کا بہترین بدلہ دے! وہ بہترین مولیٰ اور بہترین قبول کرنے والا ہے۔

---

[1] مختصر تاریخ دمشق: 4/208.



آیات کا سببِ نزول

کثیر علماء نے کہا ہے کہ یہ آیات عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق ہی نازل ہوئیں۔

امام واحدی کہتے ہیں: جب عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وحی لکھنے کے لیے بلایا۔ اور یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ﴾

"اور بلاشبہ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے، پھر ہم نے اسے ایک محفوظ قرارگاہ (رحم مادر) میں ایک قطرے کی صورت میں رکھا، پھر ہم نے قطرے کو خون کی پھٹکی بنایا، پھر ہم نے پھٹکی کو لوتھڑے میں ڈھالا، پھر ہم نے لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے اسے ایک اور ہی صورت میں بنا دیا۔"[1]

عبداللہ رضی اللہ عنہ انسانی تخلیق کی ان تفصیلات سے بہت حیران ہوئے تو پکار اٹھے:

﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴾ "چنانچہ بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے عمدہ بنانے والا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بھی مجھ پر ایسے ہی نازل فرمایا

[1] المؤمنون 23:12-14.

ہے۔ اس وقت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو شک گزرا۔ کہنے لگے اگر محمد سچے ہیں تو ان پر بھی وہی کیسے نازل ہو گیا جو مجھ پر بھی نازل کر دیا گیا۔ اگر (نعوذ باللہ) وہ جھوٹے ہیں تو میں نے بھی وہ کہہ دیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔

قرآن کی یہ آیت بھی یہی بیان کر رہی ہے:

﴿وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾

"اور جس نے کہا کہ میں بھی ایسی چیز نازل کر سکتا ہوں جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔"[1]

اور اسلام سے مرتد ہو گئے۔ کلبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔

محمد بن اسحاق نے شرحبیل بن سعد سے بھی یہی روایت کی اور کہا ہے کہ آیت ﴿سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ عبداللہ بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوئی اور اسلام سے مرتد ہو کر مکہ لوٹ گئے اور اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شروع کر دی۔

حتی کہ فتح مکہ کا موقع آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خون بھی رائیگاں قرار دے دیا، ان کے ساتھ کچھ لوگ اور بھی تھے، یہ دوڑ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پناہ لینے کے لیے پہنچ گئے کیونکہ یہ ان کے رضاعی بھائی تھے۔ انھوں نے چند دن انھیں لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل رکھا حتی کہ مکہ والوں نے ان کی تلاش بند کر دی، پھر وہ انھیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جان بخشی کے لیے حاضر ہوئے، پھر انھوں نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا ہے۔[2]

[1] الأنعام 93:6. [2] تفسیر القرطبي، الأنعام 93:6.

یہاں ﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴾ کے متعلق ایک اور روایت بھی ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری چار باتیں اپنے رب کے موافق ہوئیں۔ پہلی یہ کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر ہم مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾

"اور (حکم دیا کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔"[1]

دوسری یہ کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اپنی ازواج کے لیے پردہ لازم قرار دے دیں تو......؟ کیونکہ آپ کے ہاں ہر قسم کے اچھے برے افراد آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ﴾

"اور جب تم ان (ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔"[2]

تیسری بات یہ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے کہا: تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے جا مطالبے کرنے سے باز آجاؤ ورنہ عین ممکن ہے کہ اللہ تمھاری جگہ اپنے نبی کو تم سے بہتر اور بیویاں دے دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ ﴾

[1] البقرة 2:125. [2] الأحزاب 33:53.

”اگر وہ (نبی) تمھیں طلاق دے دے تو شاید اس کا رب اس کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں دے، اسلام و ایمان والی، فرمانبردار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواری عورتیں۔“[1]

چوتھی: جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾

”اور بلاشبہ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے، پھر ہم نے اسے ایک محفوظ قرارگاہ (رِحمِ مادر) میں قطرہ بنا کر رکھا، پھر ہم نے قطرے کو خون کی پھٹکی بنایا، پھر ہم نے پھٹکی کو لوتھڑے میں ڈھالا، پھر ہم نے لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، پھر ہم نے اسے ایک اور ہی صورت میں بنادیا۔“[2]

تو میری زبان سے یہ الفاظ: ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ ”اللہ سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔“[3] واللہ اعلم۔

---

[1] التحريم 5:66. [2] المؤمنون 23:12-14. [3] الدر المنثور، المؤمن 23:12-14، وتفسير القرطبي، البقرة 2:125.

اسباق وفوائد

جب بھی عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آتا ہے ساتھ ہی ذہن میں مصر کا نقشہ سما جاتا ہے۔ ذہن میں اس کی لمبی تاریخ گھومنے لگتی ہے اور انسان زمانے کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے۔

بعض مؤرخین اس کی ابتدا اور تاریخ کو 'مصر بن مصرایم بن حام بن نوح' کی طرف لوٹاتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصر وہ علاقہ ہے جو بہت قدیم زمانے سے عقیدۂ توحید سے آشنا تھا۔ اللہ کے نبی ادریس علیہ السلام نے یہاں کے رہنے والوں کو اکیلے ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا تھا اور ان سے تمام شرک کے کاموں کو نکال پھینکا تھا۔

قدیم مصری مرنے کے بعد اٹھنے اور اس کے بعد کے معاملات پر یقین رکھتے تھے، اسی لیے انھوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے اور مضبوط اہراموں اور ان جیسی دیگر اشیاء کی بنیاد رکھی، ان کا ایمان تھا کہ انھیں بقا و دوام ملے گا۔

پرانی تاریخ ہمیں ان کی اس طرز زندگی کی بعض جھلکیاں دکھاتی ہے کہ جس میں ان کو سزا دینے والی عدالت ہے، جس میں چالیس قاضی ہیں اور ان پر ایک سب سے بڑا قاضی القضاۃ مقرر ہے جسے 'اوورلیس' کہا جاتا تھا۔

انسان فنا نہیں ہوتا، موت تو ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں منتقل ہونے کا

نام ہے، ایسا مرحلہ جس میں ہمیشگی ہے اور وہ مرحلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

قرآن سے پہلے کی آسمانی کتابیں تورات اور انجیل وغیرہ میں بھی مصر کا نام کئی کئی مرتبہ ذکر ہوا ہے، البتہ سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن مجید میں شہر مصر کا نام پانچ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

سب سے پہلی آیت: جس میں اللہ کے رزق کے مقابلے میں بنی اسرئیل کی سرکشی کا ذکر ہے، جب انھوں نے اس کے مقابلے میں تکبر سے کام لیا اور زمین سے اگنے والی اشیاء کا مطالبہ کیا تو اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور انھیں مصر جانے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ﴾

''مصر میں چلے جاؤ پس بے شک وہاں تمھارے لیے وہی کچھ ہے جس کا تم نے سوال کیا۔''[1]

دوسری آیت: جب اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم سے کہیں کہ مصر میں اپنے گھروں میں رہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جاہلیت سے بھرے معاشرے سے الگ رہیں۔ ایمان اور نیکی سے بھرپور دل کو مطمئن رکھیں تاکہ اس کی تربیت ہو اور اس میں نظم وضبط پیدا ہو جائے۔ حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ آجائے۔

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا﴾

''اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر بناؤ۔''[2]

تیسری آیت: جب قرآن نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ہاتھوں

[1] البقرۃ 61:2۔ [2] یونس 87:10۔

ایک ویران کنویں میں گرانے اور قافلے کے انھیں مصر لے جانے، شاہ مصر کے انھیں خریدنے اور اس کے اپنی بیوی سے ان کی بہترین پرورش کے حکم دینے کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ ﴾

''اور وہ شخص جس نے یوسف علیہ السلام کو مصر میں خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کی رہائش اچھی رکھ۔''[1]

چوتھی آیت: جب اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام پر بادشاہی کا انعام فرمانے کا اپنی بے شمار مخلوق میں سے انھیں نبوت سے سرفراز فرمانے کا اور یوسف علیہ السلام کے اپنے رب سے اپنے بھائیوں کے لیے مغفرت طلب کرنے کا اور ان کے اپنے والدین کو مصر میں آنے کی دعوت کا ذکر فرمایا تو ان مقامات پر مصر کا تذکرہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۝ ﴾

''چنانچہ جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا: تم مصر میں داخل ہو جاؤ دراں حالیکہ تم امن سے ہو، اگر اللہ نے چاہا۔''[2]

پانچویں آیت: فرعون نے کہا تھا:

﴿ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ ﴾

''کیا یہ مصر میرا ملک نہیں ہے۔''[3]

ان مقامات پر تو اللہ نے مصر کا واضح تذکرہ فرمایا ہے۔

[1] یوسف 21:12. [2] یوسف 99:12. [3] زخرف 51:43.

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اللہ نے قرآن مجید میں ضمناً بھی کئی آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

انھی میں سے ایک آیت یہ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾

''اور ہم نے (عیسیٰ) ابن مریم اور اس کی ماں کو عظیم نشانی بنایا اور ایک پُرسکون اور جاری چشمے والی بلند جگہ پر ان دونوں کو ٹھکانا دیا۔''[1] یعنی مصر میں۔

ایسا مصر جس میں وافر مقدار میں غلّہ، تاحد نگاہ پھیلے ہوئے کھیت اور جگہ جگہ بکھری ہوئی بے شمار نعمتیں ہیں، اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی اسے 'زمین کے خزانوں' سے تعبیر کروایا گیا۔

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾

''(یوسف علیہ السلام نے) کہا: مجھے زمین کے خزانوں (پیداوار) پر (نگران) مقرر کر دیجیے، بے شک میں خوب نگہبانی کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔''[2]

اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بادشاہ کا 'عزیز' کے نام سے تذکرہ کیا اور اس کی وجہ صرف اور صرف اس وقت کے تمام ملکوں میں سے اس کی خاص حیثیت تھی اور اللہ کے ہاں اس کا خاص مقام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

''اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے جی سے

[1] الدر المنثور، المومنون 50:23. [2] یوسف 55:12.

پھسلاتی ہے، اس کے دل میں (یوسف کی) محبت گھر کر گئی ہے۔ بے شک ہم اسے کھلی گمراہی میں دیکھتی ہیں۔"[1]

تاریخ کے صفحات میں بے شمار انبیاء ﷺ نے اس کی جانب ہجرت فرمائی، جن میں اسباط، موسیٰ اور ہارون ﷺ مشہور و معروف ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ مسیح علیہ السلام 'اہناس' مقام پر پیدا ہوئے تھے اور وہیں حضرت مریم علیہا السلام والی کھجور بھی واقع ہے۔

آپ ﷺ نے بھی مصر اور اہل مصر کی جانب خوب توجہ دی تھی، جیسے ہی مدینہ میں حالات بہتر ہوئے تو آپ ﷺ نے فوراً سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو قبطیوں کے امیر مقوقس کی جانب بذریعہ خط اسلام کی دعوت دے کر بھیجا تھا اور اس نے آپ کی خدمت میں ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا جو کہ آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور ان سے پہلے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بھی مصر کے ایک بادشاہ ہی نے بھیجا تھا۔

ایک روایت ہے: "جب تم مصر فتح کرو تو قبطیوں کا خاص خیال رکھنا کیونکہ ان سے نسبی اور سسرالی رشتہ ہے۔"[2]

مصر کو اسلامی مملکت اور مسلمانوں کی تاریخ کے لحاظ سے اسلامی ممالک میں بڑی خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان میں سے ایک بہت اہم معاملہ وہ ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا، جب 'رمادہ' والے سال پانی کی قلت اور بارشوں کے نہ ہونے کی وجہ سے شدید قحط کا سامنا کرنا پڑا تو کھیتیاں ختم ہو گئیں اور مویشی مرنے لگے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انتہائی مجبور ہو کر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مدد مانگی تو انھوں نے خلیفۃ المسلمین

---

[1] یوسف 30:12. [2] سبل الهدیٰ والرشاد: 77/10، و المستدرك للحاكم: 553/2.

کی طلب پر دل و جان سے لبیک کہا اور پے در پے اتنی امداد بھیجی کہ سیدنا عمر کو کہنا پڑا کہ اب بس کرو۔

مصر ہی سے اللہ کے دین کی نشر و اشاعت کے لیے وہ اسلامی لشکر نکلے جو تمام افریقہ پر چھا گئے۔ وہ اللہ کے ایسے لشکر تھے جو ان دور دراز مقامات پر دلدلوں اور جنگلوں میں بلا خوف و خطر بڑھتے رہے اور ہر اس مقام تک پہنچے جہاں سورج چمکتا تھا اور مقصد صرف یہی تھا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

ہمارا خیال نہیں کہ تاریخ اسلامی سپہ سالار عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو بھول جائے گی، جب وہ اپنے لشکر کے ساتھ زمین کے آخری کنارے پر لب سمندر پہنچے تو انھوں نے اپنا وہ مشہور جملہ کہا تھا جس کی گونج آج بھی زمانے کے کانوں میں موجود ہے۔ ''اللہ کی قسم! اگر مجھے علم ہو کہ اس سمندر کے پیچھے ایسی قوم ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتی تو میں یہ گھوڑے سمندر میں ڈال کر ان تک بھی پہنچ جاؤں۔''

اس مصر سے ایسے لشکر اور قافلے تیار کیے گئے جو اس وقت کی عیسائی عالمی طاقت 'ہسپانیہ' سے ٹکرا گئے۔ ان لشکروں کے چہرے گندم گوں، دل روشن اور ایمان سے سرشار تھے۔ ان ممالک میں اللہ کے کلمے کی سربلندی میں ان کے بڑے کارنامے ہیں حتی کہ اس وقت ان کے اللہ اکبر کے نعرے فرانس کے کناروں تک پہنچ گئے تھے۔

جب وسط ایشیا سے تاتاری اور منگول 'ہلاکو خان' کی قیادت میں نکلے، عالم اسلام کو تاراج کرتے ہوئے خلافت اسلامیہ کے پائے تخت بغداد کو بھی ختم کر دیا اور اسی انداز سے عالم اسلام پر ان کی یلغاریں جاری تھیں کہ اس وقت مصر سے سیف الدین قطز کی سربراہی میں ایک لشکر نکلا جس نے ان سرکشوں اور ظالموں سے 'عین جالوت' نامی جگہ پر فیصلہ کن معرکہ لڑا اور وہاں مسلمان اللہ کی نصرت سے خوش ہو گئے۔

اہل مصر کا معاملہ مسلمانوں کی صرف اس جگہ مدد کرنا اور ان سرکشوں کی سرکوبی تک محدود نہیں تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ گہرا تھا۔ خدا کے سہارے مصر سے نکلتے ہوئے پیش قدمی کرنے والے یہ لشکر تلوار اٹھانے سے پہلے دین کی تعلیمات سے اچھی طرح آراستہ تھے جس کے ساتھ انھوں نے ان لوگوں سے جہاد کیا جو اپنی ہوا و ہوس کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور اپنی قوتوں کو اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال کر رہے تھے، ان لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا، ان کے ہاتھوں پر اسلام لائے، پھر یہ ایسی قوت بن گئے جو اللہ کے نام سے اس کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتی تھی اور اسے لے کر یہ لوگ تاشقند، سائبریا، بخارئی اور روس کی کئی ریاستوں تک جا پہنچے۔

تاتاریوں کو تو 'عین جالوت' کے معرکے نے ختم کر دیا تھا۔

لیکن صلیبیوں کی یلغاریں جنھیں مغرب نے اپنی قوت اور نفری کے ساتھ بے پناہ طاقت دے رکھی تھی، ان کے کنیسوں اور افراد کی سازشیں کئی معرکوں اور ان گنت لشکروں کی محتاج تھیں، مغرب نے مصر کی مسلحہ قوت کو مٹانے اور مغلوب کرنے کے لیے بڑی کوششیں کیں تاکہ مقدس مقامات کو ہتھیا سکے۔

لیکن مصر کے اسلامی لشکر ان کے سامنے ایک مرتبہ پھر ڈٹ گئے۔ کثیر افراد اور وافر مالوں کی قربانیاں پیش کیں۔ اور یہ سب کچھ تھوڑی سی مدت کے لیے نہیں تھا بلکہ تین صدیوں تک انھوں نے ان املاک کی حفاظت کی اور وہ تین صدیوں تک خون ریز معرکے لڑتے رہے۔

کتنے لوگ قتل کر دیے گئے ہوں گے، کتنے بچے یتیم ہوئے ہوں گے اور کتنے خون بہائے گئے ہوں گے؟ یہ سوالات ایسے ہیں جو سر کو چکرا کر رکھ دیتے ہیں اور دل کو ان افراد

کے متعلق حیرت واستعجاب میں ڈال دیتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ تھے کہ جن کے رُوئیں رُوئیں میں اسلام اس انداز سے سرایت کر گیا تھا کہ یہ لوگ ہر کافر کی آنکھ کا کانٹا اور ہر حاسد کے دل میں خنجر کی مانند تھے اور ہر مسلمان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون تھے۔

اور یہ صلیبی جنگیں تب ختم ہوئیں جب صلاح الدین ایوبی نے حطین کے معرکے میں مغرب کو سبق سکھلا دیا۔

کیا مصر نے اپنی سخاوتیں روک لی ہیں......؟

کیا اہل مصر نے خرچ کرنا چھوڑ دیا ہے......؟

کیا اس کی مٹی نمو کی خاصیت سے عاری ہوگئی ہے......؟

اللہ گواہ ہے! اگر میں ایسا سوچ بھی رہا ہوں تو یہ ممکن نہیں۔ مصر کبھی بھی صرف اپنی ذات اور اپنے باسیوں کے لیے نہیں ہوا بلکہ وہ تمام مسلمانوں کا ہے اگرچہ صلیبی اور بعد کی جنگوں نے اس کی ساری شادابی چوس لی لیکن وہ اپنے تجربات اور اپنے افراد پیش کرتا رہے گا اور کسی ملک کے لیے یہی سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے جو وہ کسی دوسرے کے لیے پیش کرتا ہے۔



زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ ﴾

''چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔''[1]

[1] النساء 65:4.





زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے حواری اور ایسے شاہسوار کہ جن کی بہادری پر بڑے بڑے معرکے گواہ ہیں اور ایسے بہادر کہ جن کا سامنا کرنے سے بڑے بڑے بہادر منہ موڑ جاتے۔ شروع شروع میں اسلام لائے اور ان چھ افراد میں سے ایک ہیں جن کے ذمے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے بعد نامزد ہونے والے خلیفے کا معاملہ سپرد کر گئے تھے۔

ان کے والد کا نام عوام بن خویلد تھا اور یہ حرب فجار کے دن قتل کر دیے گئے تھے۔ ان کی والدہ صفیہ بنت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی ہمشیرہ تھیں۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کا نسب قُصی بن کلاب پر جا کر مل جاتا ہے۔ ان کی نسبت اسد بن عبد العزیٰ بن قُصی کی جانب کی جاتی تھی، اس لیے انھیں الاسدی بھی کہا جاتا ہے۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تمھاری والدہ (اسماء رضی اللہ عنہا) میرے گھر تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں تمھاری خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ میرے اور آپ کے درمیان جو تعلق تھا وہ بھی تم جانتے ہو۔ میرے والد کی پھوپھی ام حبیبہ بنت اسد آپ ﷺ کی دادی لگتی ہیں۔ آپ ﷺ کی والدہ آمنہ اور میری دادی ہالہ دونوں عبد مناف

کی بیٹیاں ہیں اور آپ ﷺ کی زوجہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا میری پھوپھی ہیں۔ [1]

آپ بڑے عالی نسب تھے۔ اسلام اور اسلام سے قبل ان کے خاندان کے بہت کارنامے تھے۔ ان کے مرد ایسے بہادر تھے جو مال و آبرو اور اپنے علاقوں کی حفاظت میں لڑی جانے والی خون آشام لڑائیوں اور موت کی جگہوں میں پیش پیش پائے جاتے تھے جنھوں نے ہمیشہ آگے بڑھنا ہی سیکھا تھا، پیچھے ہٹنا نہیں، اسی لیے زبیر رضی اللہ عنہ نے جوانی میں قدم رکھتے ہی بڑی سخت تربیت پائی اور بڑے بڑے بہادروں سے پنجہ آزمائی کی مکمل مشق کی۔ اسی تربیت کا ایک جز ان کی والدہ کی سخت ماریں بھی تھیں۔ اسی طرح ایک دن خاندان کا ایک فرد ان کے پاس سے گزرا اور اس نے ان کی والدہ کو ان کے ساتھ یہ حشر کرتے دیکھا تو چلا اٹھا:

اس نے بچے کو قتل کر دیا، اس کا دل پھاڑ دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ان کی والدہ نے جواب دیا: میں اسے اس لیے مارتی ہوں تاکہ یہ مضبوط اور گٹھے جسم والا ہو جائے اور بہترین انداز میں مضبوطی کے ساتھ لشکروں کی قیادت کر سکے۔ [2]

مکہ کی گھاٹیوں اور وادیوں میں وہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ اپنے من پسند کھیل میں مصروف رہتے اور ان کے ساتھ بھی وہی سبق دہراتے جو ان کی والدہ نے انھیں پڑھائے اور سکھائے ہوتے۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک لڑکے کا بازو توڑ دیا، جب ان کی والدہ کو علم ہوا تو بے حد خوش ہوئیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جیسے ہی اسلام کی دعوت ملی یہ فوراً ہی مسلمان ہو گئے، اس

[1] مختصر تاریخ دمشق: 3/184۔ [2] مختصر تاریخ دمشق: 3/185۔

وقت ان کی عمر سولہ سال کے قریب تھی، ان کے چچا نے انھیں ایک چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھونی دی تا کہ وہ اس تشدد سے گھبرا کر اسلام سے باز آ جائیں لیکن وہ یہی کہتے رہے: ''اب میں کبھی کفر نہیں کر سکتا۔''[1]

دل کو ایمان سے روشن کر لینے اور اسلام کی مٹھاس چکھنے کے بعد دوبارہ جاہلیت کے اندھیروں میں لوٹنا اور بتوں کے آگے سر ٹیکنا محال تھا۔

جب منادی نے حبشہ کی جانب ہجرت کی ندا لگائی تو یہ ہجرت کرنے والوں کی صفِ اول میں شامل تھے۔ جہاں مسلمانوں کو نجاشی کے پڑوس میں مکمل تحفظ اور سہولتیں میسر آئیں۔ جب نجاشی کی حبشہ کے ایک شخص کے ساتھ جنگ ہوئی تو مسلمانوں کو اس سے بہت سخت غم اور فکر لاحق ہوئی اور انھوں نے اس لڑائی کے بارے میں اطلاعات لینا چاہیں جو نیل کے دوسرے کنارے پر لڑی جا رہی تھی مگر انھیں کہیں سے کوئی خبر نہ ملی، مسلمان اکٹھے ہوئے اور مشورہ کیا: کوئی ہے جو ہمیں اس لڑائی کے بارے میں بتا دے یا وہاں کی خبریں لا کر دے۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کام میں کروں گا کیونکہ میں عمر میں سب سے بڑا ہوں۔ لوگوں نے ایک مشکیزے میں ہوا بھری اور اسے ان کے سینے سے باندھ دیا، وہ اس پر تیرتے ہوئے نیل کے دوسرے کنارے جا نکلے جہاں لڑائی ہو رہی تھی اور ان کے پاس پہنچ گئے۔

نجاشی کو اپنے دشمن پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے پاس بشارت لے کر لوٹے اور خوشی سے چلا چلا کر کہہ رہے تھے: لوگو! خوش ہو جاؤ، اللہ نے نجاشی کو

[1] سبل الہدیٰ والرشاد: 312/11.

غلبہ دے دیا، اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا اور اسے اپنے ملک میں عزت سے سرفراز فرما دیا ہے۔''

اس سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی۔ [1]

زبیر رضی اللہ عنہ قریش کی اس افواہ کا شکار ہو کر ایک مرتبہ پھر مکہ لوٹ آئے تھے کہ کفار مکہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح ہو گئی ہے۔ ان کے لوٹنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ [2]

جہاں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مکہ میں دعوت اسلام کے لیے پہلا خون بہایا وہاں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مشرکین کے خلاف سب سے پہلے تلوار سونتی۔ مشرکین نے جب یہ افواہ پھیلا دی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے ہیں تو زبیر رضی اللہ عنہ تلوار تھامے اور لوگوں کو چیرتے ہوئے مکہ کی بالائی جانب نکلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں گھبرائے ہوئے پریشان حال دیکھا تو پوچھا: زبیر! کیا بات ہے؟

زبیر رضی اللہ عنہ: مجھے تو خبر ملی تھی کہ آپ کو گزند پہنچائی گئی ہے۔

ان کے جواب اور ان کے آنے کے انداز کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کی تلوار کے لیے دعا فرمائی۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ کے جاں نثار صحابہ پے در پے آپ کے پیچھے ہجرت کرتے جا رہے ہیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ہجرت میں تاخیر ہوتی جا رہی ہے اور اگر انھوں نے اور تاخیر کی تو تمام لوگ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 339/1. [2] المستدرك للحاكم: 355/3. [3] البداية والنهاية: 366/5، 277/7، و مختصر تاريخ دمشق: 185/3، و معرفة الصحابة: 455/1.

ہجرت کر جائیں گے اور وہ اکیلے رہ جائیں گے کیونکہ کوئی بھی مسلمان رسول اللہ ﷺ کا فراق برداشت نہیں کرتا تھا اور مسلمان کسی بھی صورت آپ سے علیحدہ رہنے کے لیے تیار نہ تھے۔

بالآخر انھوں نے بھی ہجرت کا فیصلہ کرلیا، اکیلے ہی نکل کھڑے ہوئے اور اکیلے مدینہ پہنچ گئے، اور منذر بن محمد بن عقبہ کے ہاں ٹھہرے۔

آپ ﷺ نے مدینہ میں ان کا سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ سے مؤاخاتی رشتہ جوڑ دیا جنھیں بعد میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں یمامہ کا عامل بنایا تھا۔ [1]

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں ایک اسلامی سپاہی کے انداز میں زندگی گزاری۔ آپ ﷺ کے فرامین پر من وعن عمل کرتے اور قائد ہونے کے لحاظ سے آپ کی ہر ہر بات پر جان دیتے۔ ایک دن اسی طرح وہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کریم کی آیات تلاوت کر رہے تھے کہ اتنے میں انھوں نے مسجد کے باہر شور سا سنا، جلدی سے نماز مکمل کی اور باہر نکلے کہ دیکھیں لوگ شور کیوں مچا رہے ہیں۔ ان کی خوشی کی تب کوئی انتہا نہ رہی جب انھیں یہ پتا چلا کہ اللہ نے انھیں ان کی اہلیہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا ہے۔ اس وقت ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اور ان کے ساتھ تمام مسلمانوں کی بھی کیونکہ اس سے پہلے یہودیوں نے یہ افواہ پھیلا رکھی تھی کہ انھوں نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور اب ان کے ہاں مدینہ میں کوئی اولاد نہیں ہو سکے گی، اس طرح ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں مہاجرین کے ہاں سب سے پہلے پیدا ہونے والے مسلمان بچے تھے۔ [2]

[1] البداية والنهاية: 277/7. [2] لمسات بيانية لسور القرآن الكريم، البقرة 102:2.

جب قریش اپنی پوری سرکشی کے ساتھ میدان بدر میں رسول اللہ ﷺ سے مقابلے کے لیے آگئے تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار زرد عمامہ باندھے اسلامی فوج کے دائیں بازو کی کمان کر رہے تھے اور انھوں نے قریش کے کئی بہادروں سے پنجہ آزمائی کی، جیسے عبیدہ بن سعید، نوفل بن خویلد وغیرہ اور انھیں خود بھی کئی گہرے زخم آئے تھے۔

اُحد کے میدان میں بھی وہ آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ ثابت قدم رہے، انھوں نے آپ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر رکھی تھی اور اس دن مہاجرین کے تین جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا انھی کے ہاتھ میں تھا۔

جب سارے عرب کے لشکروں نے اکٹھے ہو کر مدینہ کا محاصرہ کر لیا، سب مسلمان اس حد تک پریشان تھے کہ پریشانی سے ان کی آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں اور دل اچھل کر باہر کو آرہے تھے۔ اس قدر پرخطر موقع پر رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: ''ان لشکروں کی خبر کون لائے گا؟

زبیر رضی اللہ عنہ: اے اللہ کے رسول! میں لاؤں گا۔

رسول اللہ ﷺ: ان لشکروں کی خبر کون لائے گا؟

زبیر رضی اللہ عنہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں..........۔

رسول اللہ ﷺ تیسری بار: ان لشکروں کی خبر کون لائے گا؟

زبیر رضی اللہ عنہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں..........۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔[1]

[1] صحیح البخاري، حدیث: 2846.

اے ابن عوام! آپ کی قسمت کے کیا کہنے! آپ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے دین کے محافظ، اپنے رب کے شکر گزار اور اپنے نبی ﷺ کے ساتھ انتہائی مخلص تھے، جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو وہ آپ سے راضی تھے۔

عروہ نے اپنے والد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! میں نے احزاب کے دن آپ کو چتکبرے گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔

والد: بیٹے! تم نے واقعتاً مجھے دیکھا تھا؟

عبداللہ: جی، ابا جان! میں نے آپ کو دیکھا تھا۔

زبیر: بیٹا! اس دن اللہ کے رسول ﷺ نے میرے لیے ان الفاظ میں تعریف کی:

''تم پر میرے ماں باپ قربان۔'' [1]

مشرکین اور عرب کے جتھوں کے بھاگ نکلنے سے احزاب کی لڑائی انتہا کو پہنچی۔ اللہ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اس دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایک عظیم خوش خبری دی: آج کے بعد قریش کبھی ہم پر آگے بڑھ کر حملہ نہیں کریں گے۔

یعنی اب مکہ کا راستہ آسان ہوگیا، مکہ کی جانب مسلمانوں کا شوق روز بروز بڑھنے لگا، مسجد حرام میں داخل ہونے کی بشارت نے ان کے دلوں کو مزین کر دیا تھا، وہ حسرت ہر وقت ان کی آنکھوں میں سمائی رہتی، ہر وقت وہ اسی کے خواب دیکھتے کہ کب وہ وقت آئے اور ہم بیت اللہ میں داخل ہوں۔

[1] دلائل النبوة للبيهقي:3/440.

بالآخر وہ دن آ گیا، مکہ والوں کے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان جو معاہدہ تھا توڑ ڈالا۔ اب لازم تھا کہ مکہ فتح کر کے اسے بتوں کی غلاظت سے پاک کر دیا جائے، اس سرکش قوم پر، جو کسی عہد کی محافظت اور کسی بھی معزز کی عزت کا پاس رکھنے سے عاری ہے، تادیبی کارروائی کی جائے۔

بالآخر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مکہ کی جانب لشکر بڑھنے لگا۔ مقداد رضی اللہ عنہ اس کے دائیں بازو کی اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس کے بائیں بازو کی کمان کر رہے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ بحفاظت مکہ داخل ہو گئے اور لوگ بھی پرسکون ہو گئے تو یہ دونوں شاہسوار اپنے گھوڑوں پر سوار آپ ﷺ کے قریب آئے تو آپ اپنے کپڑے سے ان کے چہروں سے غبار پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''میں نے گھوڑے کے دو اور گھڑ سوار کا ایک حصہ مقرر کیا ہے جو ان میں کمی کرے اللہ اسے کمی کا شکار کر دے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل لوگوں کی نفسیات اور قیادت کو اس کا حق دینے اور اس کے باطن کو سمجھنے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ یہ بات واضح کرتی ہے کہ آپ بہت زیرک اور ماہر نفسیات بھی تھے۔ کسی بھی قائد کے لیے ایسے اقدامات میں کتنا وقت صرف ہوتا ہے؟ انتہائی تھوڑا سا...... لیکن یہ لشکر اور اس کے امیروں میں جادو کا سا اثر دکھاتا ہے اور ایک فوجی میں ایسا جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اللہ کے کلمے کی سربلندی یا شہادت کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا۔

یہ وہ عبقری شخصیات تھیں جنھوں نے اسلام کے مدرسے میں تربیت پائی اور تاریخ انسانیت میں بے مثال کارنامے سرانجام دیے۔ ہمیں اللہ سے امید ہے کہ وہ کتاب اللہ

[1] صحيح البخاري، حديث:2863، و سنن الدار قطني:177/5.

سے تربیت پانے والے ایسے نوجوان ہم میں بار بار پیدا فرماتا رہے گا تاہم اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت تا قیامت ہمارے ہاں موجود رہے گی۔

جب آپ ﷺ فوت ہوگئے تو اسلام کا یہ سپاہی اس بات سے خوب واقف تھا کہ جب صاحبِ وحی موجود نہیں رہے تو میری کیا ذمہ داری ہے۔

وہ ایک مرتبہ پھر جزیرۂ عرب میں مانعین زکاۃ کو رسول اللہ ﷺ کے دور کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیتا ہے۔

دوسرے مقام پر وہ روم کے کنارے معرکۂ یرموک میں دادِ شجاعت دیتا ہے، پھر تیسرے مقام پر مصر کی سرزمین پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ، جب انھوں نے قلعہ بابلیون کا محاصرہ کر رکھا تھا، وہاں بھی موجود ہے۔ محاصرہ طول پکڑتا جا رہا ہے حتی کہ سات ماہ گزر گئے، زبیر رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا گیا کہ اس قلعے کے علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہے ذرا اس سے دور ہی رہیں تو ان کا جواب تھا: ''ہم نیزوں اور طاعون کا مقابلہ ہی تو کرنے آئے ہیں۔'' پھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف گئے اور کہا: اے عمرو! میں اللہ کے راستے میں اپنے نفس کی قربانی دیتا ہوں اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ اس طرح مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائے گا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کی بات مان لی۔ زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور قلعے کے ساتھ سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ گئے اور باقی لشکریوں کو کہہ گئے کہ جب اندر سے میرے نعرۂ تکبیر کی آواز آئے تو بھرپور انداز میں بیک زبان سب اس کا جواب دینا۔

وہ قلعے پر چڑھ گئے، دشمن کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا، جب انھوں نے زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے قلعے کی دیوار پر دیکھا کہ وہ بلند آواز سے نعرے مار رہے ہیں اور پیچھے پوری

فوج بڑھ چڑھ کر جواب دے رہی ہے وہ ایسے بوکھلائے کہ انھوں نے مقابلے کی نیت سے قلعے کے دروازے کھول دیے کہ شاید کسی راستے سے فوج اندر آگئی ہے۔ اس انداز سے اس قلعے کی فتح کے ساتھ مصر فتح ہوگیا۔ [1]

مقوقس نے صلح کا پیغام بھیجا، مسلمانوں نے اس کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اس معاہدے میں گواہ مقرر ہوئے۔

واقعی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا تھا: زبیر رضی اللہ عنہ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون اور دین کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہیں۔" [2]

پھر کیا ہوا؟ مسلمانوں کی صفوں میں ایک بہت بڑے فتنے نے جنم لیا۔ وہ ایسا فتنہ تھا جس سے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پناہ مانگا کرتے تھے، مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہوگئی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور مسلمان کافی عرصے تک بغیر خلیفہ کے رہے۔

بعض روایات بتلاتی ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ، جن میں طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور کہا: مسلمانوں کا کوئی نہ کوئی امیر تو ضروری ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ: میں تمھارے اس کام میں حصہ دار نہیں بن سکتا، جسے بھی تم چن لو میں اس پر دل سے راضی ہوں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم: ہم آپ کے علاوہ کسی کو نہیں چاہتے، انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بار بار اس بات پر اصرار کیا اور کہا: اس وقت اس منصب کا آپ سے زیادہ ہمیں کوئی حق دار نظر نہیں آتا، اب نہ تو کوئی آپ سے پہلے اسلام لانے والا ہے اور نہ آپ سے بڑھ

[1] سيرة علي للصلابي: 200/2. [2] الوافي بالوفيات: 474/4.

کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قریبی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ: ایسا نہ کرو، مجھے کسی کا وزیر بننا امیر بننے سے زیادہ پسند ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم: ہم جب تک آپ کی بیعت نہیں کر لیں گے یہاں سے نہیں جائیں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ: تو پھر بیعت مسجد میں ہوگی، خفیہ طور پر نہیں......۔

سب سے پہلے سیدنا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کی بیعت کی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اگر تم چاہو تو میری بیعت کر لو اور اگر چاہو تو میں تمھاری بیعت کر لیتا ہوں۔ [1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوگئی، پھر سیدنا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے ان سے اجازت چاہی اور عمرے کے لیے مکہ چلے گئے۔ وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے تیار ہوا۔

لشکر کی پیش قدمی سے پہلے زبیر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اس لڑائی میں نقصان ہوتا نظر آرہا ہے لہٰذا انھوں نے اپنے بیٹے سے کہا، جو ان کے ساتھ تھے: بیٹے! جو بھی لڑے گا وہ دو باتوں میں سے ایک کا مرتکب یا حق دار ٹھہرے گا، وہ ظالم ہوگا یا مظلوم۔ مجھے لگتا ہے کہ میں مظلوماً نہ قتل کر دیا جاؤں گا، مجھے سب سے زیادہ فکر اس قرض کی ہے جو میرے ذمے ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ ہمارے پاس جو مال ہے وہ میرا قرض اتار دے گا؟

کہنے لگے: بیٹے! پھر سب جائیداد بیچ دو اور میرا قرض ادا کر دو اور اگر پھر بھی کچھ قرض رہ جائے تو میرے مولیٰ سے تعاون لے لینا۔

[1] الكامل في التاريخ: 23/2.

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں سمجھ نہیں سکا کہ مولیٰ سے وہ کسے مراد لے رہے ہیں۔ میں نے پوچھ لیا: اباجان! آپ کا مولیٰ کون ہے؟

زبیر رضی اللہ عنہ: اللہ رب العالمین۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے والد محترم زبیر رضی اللہ عنہ کے قرض کی ادائیگی کے متعلق جب بھی کوئی پریشانی ہوئی تو میں نے یہی دعا کی: اے زبیر کے مولیٰ! ان کا قرض ادا کر دے! تو واقعی اللہ تعالیٰ نے ان کا قرض ادا کر دیا۔[1]

چونکہ سیدنا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما عمرے کی غرض سے مکہ لوٹ آئے تھے اور وہاں کی مسموم فضا کی زد میں آکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قیادت میں لشکر کے ہمراہ بصرہ کی جانب چڑھ دوڑے تھے، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب ان کی بصرہ کی جانب پیش قدمی کا پتا چلا تو وہ بھی نکلے اور مکمل کوشش کی کہ یہ جنگ رک جائے اور انھوں نے یہ تحقیق بھی کی کہ کیا واقعتاً طلحہ اور زبیر بھی اس لشکر کے ساتھ ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ: زبیر! تم کس لیے آئے ہو؟

زبیر رضی اللہ عنہ: تمھاری وجہ سے، میں تمھیں اس منصب خلافت کا اہل نہیں سمجھتا، ہم سے بڑھ کر اس کا کوئی حق دار نہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ: تمھیں وہ دن یاد ہے جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے ہاتھ پر ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سلام کیا اور مجھے دیکھ کر مسکرائے اور تمھیں دیکھ کر کہنے لگے: ”اے زبیر! تم علی سے لڑو گے اور ناحق لڑو گے۔“

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3129.

زبیر رضی اللہ عنہ: ہاں، مجھے یاد آگیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: پھر میرے خلاف لڑنے کیوں نکلے ہو؟

زبیر رضی اللہ عنہ: اللہ کی قسم! میں بھول گیا تھا، اگر مجھے یاد ہوتا تو کبھی اس لشکر کے ہمراہ آپ کے خلاف لڑنے کے لیے نہ نکلتا۔[1]

پھر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی سیدنا علی کے ساتھ ہیں تو وہ اس حدیث کی بنا پر خوف زدہ ہوئے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: ''اے عمار! تمھیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔''[2]

پھر زبیر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: امی جان! میں کفر اور اسلام دونوں ادوار میں جب بھی جہاں بھی کسی معرکہ میں شریک رہا ہوں مجھے خوب شرح صدر تھا مگر یہ واحد موقع ہے کہ مجھے شرح صدر نہیں ہے۔ امی جان! میں غلطی پر ہوں۔

اور اپنے بیٹے سے کہا: میں واپس جا رہا ہوں۔ اسے میری کمزوری نہ سمجھنا۔ اللہ کی قسم! میں نے جاہلیت میں اور نہ اسلام میں کبھی دشمن سے منہ نہیں موڑا۔

اور زبیر رضی اللہ عنہ اپنے قدموں پر واپس مدینہ کی جانب لوٹنے لگے۔ اپنی سواری کا رخ مدینہ کی جانب موڑ دیا اور سیدنا علی سے کوئی تعرض نہ کیا۔ لوٹتے ہوئے انھیں راستے میں نُغر بن زمام نامی شخص ملا۔ وہ پکار کر کہنے لگا: اے حواری رسول! میری طرف آجائیں، میرے پاس آجائیں۔ آپ میری پناہ میں ہیں، کوئی آپ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے انھیں دیکھا اور احنف بن قیس کی جانب متوجہ ہو کر

[1] البداية والنهاية: 268/7. [2] سيرة علي للصلابي: 152/2.

چلایا: یہ دیکھو، وادی سباع میں زبیر جا رہا ہے، پھر وہاں سے احنف بھی چلایا: لوگو! یہ دیکھو، وادی سباع سے زبیر گزر رہا ہے اور اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہتا ہے۔ یہ آواز سن کر کئی لوگ ان کی جانب بڑھے اور ان کے پیچھے اپنے گھوڑے دوڑا کر ان تک پہنچ گئے۔ عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر نیزے سے ہلکا سا وار کیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی پلٹ کر حملہ کیا۔ جب اسے زبیر کے ہاتھوں اپنی موت نظر آنے لگی تو اللہ کے واسطے دینے لگا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا۔

اس کے بعد اپنے راستے پر چل دیے لیکن پیچھے سے اچانک تمام لوگوں نے ان پر یکبارگی حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سیدنا زبیر سے راضی ہو اور ان پر رحمت فرمائے!

ابن جرموز زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار پکڑی اور کہا: ''اللہ کی قسم! اس تلوار نے بے شمار مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پریشانیوں کو دور کیا تھا۔''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو وادی سباع ہی میں دفن کر دیا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی ان کی قبر پر بیٹھ کر روتے رہے۔ جب ابن جرموز نے آنے کی اجازت چاہی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے برا بھلا کہا اور ایسا کلمہ کہا جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہر لحاظ سے بری کر دیا، چنانچہ انھوں نے کہا: تو مٹی میں ملے! مجھے امید ہے کہ میں طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں ہوں گے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:[1]

﴿ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴾

[1] مختصر تاريخ دمشق: 189/3، و سير أعلام النبلاء: 60/1.

”اور ان کے سینوں میں جو کینہ اور حسد ہو گا ہم نکال دیں گے، (وہ) تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) بھائی بھائی ہوں گے۔“ [1]

وہ متقی شخص فوت ہو گیا جو اللہ کا حد درجہ خوف رکھتا اور اس کی سزا سے ہر لمحہ ڈرتا رہتا تھا، نیز اللہ کے رسول ﷺ سے روایات بیان کرنے میں بے حد احتیاط برتتا تھا۔

بیٹے نے پوچھا: ابا جان! آپ ویسے احادیث کیوں نہیں بیان کرتے جیسے دوسرے صحابہ بیان کرتے ہیں؟

زبیر رضی اللہ عنہ: اللہ کی قسم! میں جب سے اسلام لایا ہوں آپ ﷺ سے کبھی جدا نہیں ہوا لیکن میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا: ”جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“ [2]

اللہ تعالیٰ زبیر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اور انھیں وسیع و عریض جنتوں میں اسی حساب سے جگہ نصیب فرمائے جس حساب سے انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے خدمات سرانجام دیں۔

---

[1] الحجر 15:47. [2] شرح مشكل الآثار: 356/1، وسنن أبي داود، حديث: 3651.



آیات کا سبب نزول

امام بخاری رحمہ اللہ نے عروہ سے روایت کی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا کسی شخص سے کھیت کو پانی پلانے کے بارے میں جھگڑا ہوگیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ”زبیر! پہلے اپنے کھیت کو پانی دو، پھر اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔“

دوسرا شخص: اے اللہ کے رسول! یہ فیصلہ آپ نے اس وجہ سے دیا کیونکہ یہ آپ کے پھوپھی زاد ہیں۔

اس کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور فرمایا: ”زبیر! اپنی کھیتی کو اچھی طرح سیراب کرو حتی کہ پانی کناروں تک پہنچ جائے، پھر اس کے لیے چھوڑ دو۔“

زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ یہ آیت میرے بارے ہی میں نازل ہوئی: [1]

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”(اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے

[1] صحيح البخاري، حديث: 2708، 4585.

ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔،،[1]

یہاں اسود کے واسطے سے ایک اور روایت موجود ہے، کہتے ہیں: دو شخص اپنا مسئلہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ تو ایک کہنے لگا: ہمیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیں، ہم ان سے بھی فیصلہ کروانا چاہتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، ٹھیک ہے، ان سے کروانا چاہتے ہو تو ان سے کروالو، چنانچہ وہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔

ان میں سے ایک نے کہا:

ابن خطاب! میرا رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرما دیا تھا پر میرے اس ساتھی نے آپ ﷺ سے کہا: ہمیں فیصلے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں تو آپ ﷺ نے کہا: ٹھیک ہے، ان سے جا کر فیصلہ کروالو۔

عمر رضی اللہ عنہ: واقعی اس نے ایسا کیا اور کہا ہے؟

دوسرا شخص: جی ہاں، بالکل۔

عمر رضی اللہ عنہ: یہیں ٹھہرو، میں ابھی آ کر تمھارا فیصلہ کرتا ہوں، کچھ ہی دیر کے بعد واپس لوٹے اور جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروانے کی اجازت چاہی تھی اسے قتل کر دیا، دوسرا دوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! عمر رضی اللہ عنہ نے میرا ساتھی قتل کر دیا، اگر میں بھی بچ نہ نکلتا تو مجھے بھی قتل کر دیتے۔

[1] النسآء 4:65.

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا خیال نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک مومن کو قتل کرنے کی جسارت کرلے گا۔''

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

''چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔'' [1]

اس آدمی کا خون ضائع کیا گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے خون سے بری کر دیا گیا۔ [2]



[1] النسآء 4:65. [2] الدر المنثور، النسآء 4:65.

فوائد و اسباق

اپنے ہر معاملے اور زندگی کے ہر گوشے میں اللہ کے رسول ﷺ کے اوامر اور نواہی پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔

اور قرآن بھی مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے تمام اوامر اور نواہی پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے:

﴿وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾

''اور اللہ کا رسول تمھیں جو کچھ بھی دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اسے چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''[1]

اور جس نے ایسا کیا اس کے بارے میں فرمایا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ ''جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''[2]

رسول اللہ کی اطاعت کا طریقہ یہ ہے کہ ہم آپ کی اخلاقیات کو زندگی کے ہر ہر پہلو میں انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنائیں کیونکہ یہی وہ لازوال دستور ہے جو انسان کو ہوا و ہوس کی لغزشوں اور گمراہیوں کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالتا ہے۔

[1] الحشر 7:59. [2] النساء 80:4.

احادیثِ رسول ﷺ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ آپ ﷺ ایک فرد کی مکمل زندگی کے منظم طور اطوار اور معاملات سے آراستہ ہو کر اخلاقیات کے وسیع مفہوم کو اپنائے ہوئے تھے۔

اور (آپ ﷺ) یہ نظم اس فرد کی زندگی کو صبح سے شام تک، اس کی پیدائش سے وفات تک اور فوت ہونے کے بعد اگر اس کی وراثت ہے تو اس کو بھی منظم کرتا ہے۔

یہ انسان کے نفس کی تربیت کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا تھا: ''کہو: میں اللہ پر ایمان لایا اور اس پر جم جاؤ۔'' [1]

یہ انسان کا جو اپنے ماحول معاشرے سے برتاؤ اور کردار ہوتا اُسے منظم کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اگر کہیں برائی کر بیٹھو تو اس کے بعد نیکی کرو، یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔'' [2]

یہ انسان کے اپنے رب کے ساتھ معاملات کو بہترین انداز میں منظم کر کے ایک فانی اور کمزور انسان کو اپنے رب سے قریب کر دیتا ہے اور اسے اس سے ملا دیتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے: ''میرا بندہ نفلی عبادتوں سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کانوں، اس کی آنکھوں اور اس کے ہاتھوں کو اپنے پسندیدہ کاموں کے علاوہ کہیں استعمال نہیں ہونے دیتا، اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر مجھ سے کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے تو اسے اس سے ضرور پناہ دیتا ہوں۔'' [3]

[1] مسند أحمد: 413/3. [2] جامع الترمذي، حديث: 1987، و مسند أحمد: 153/5. [3] صحيح البخاري، حديث: 6502.

ہمیں ہر معاملے میں اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ ہم آپ کی مکمل فرماں برداری کریں، اگر آپ ﷺ ہمیں علم کی جانب پکاریں تو بندہ علم کی جانب متوجہ ہو جائے، اگر کسی کو اخلاقیات کا سبق سکھائیں تو وہ اس اخلاق سے جڑ جائے، اگر کسی کو قوت اختیار کرنے کا کہیں تو اسے طاقت اور قوت کے اسباب تلاش اور جمع کرنے چاہئیں۔

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''[1] گود سے گور تک علم حاصل کرنا چاہیے اور اس کی تلاش میں زمین کا چپا چپا چھان ڈالنا چاہیے۔ دراصل علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں، اللہ کی خشیت اور خوف کا علماء کے ساتھ خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰؤُا ﴾

''بس اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔''[2]

طالب علموں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، ان پر رحمتیں اترتی ہیں اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ جہاں بھی کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں یا ایک دوسرے کو علم سکھاتے ہیں تو انھیں فرشتے گھیر لیتے ہیں، رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے، سکینت ان پر اترتی ہے اور اللہ ان کا ذکر ان کے پاس کرتا ہے جو اس کے ہاں ہیں۔''[3]

اسلام کا علم تمام موجودات وغیر موجودات ہر چیز پر محیط ہے، وہ صرف فرائض اور

[1] سنن ابن ماجه، حديث: 224، و مسند البزار: 240/13. [2] فاطر 28:35. [3] صحيح مسلم، حديث: 2699، و سنن ابن ماجه، حديث: 225، و سنن أبي داود، حديث: 1455.

اسلامی شعائر تک محدود نہیں، اس سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ علم حاصل کرنا ایک عبادت ہے۔ ایک روایت میں ہے: ''ایک فقیہ انسان شیطان پر ایک ہزار عبادت گزاروں سے کہیں بھاری ہے۔'' [1]

جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلتا ہے وہ جب تک لوٹ نہ آئے اللہ کے راستے میں ہوتا ہے۔ [2]

جب اسلام کی دعوت ہی علم کی جانب تھی تو پھر ضروری تھا کہ پڑھنے کی ابتدا مربی کے نام سے ہی ہوتی:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ﴾

''اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔''

اس علم کے خزانے اور اس کے مخفی راز جاننے کے لیے زمین کی مسافتوں کو طے کر ڈالو، اپنے اسلحے پر اپنا ہاتھ رکھو اور مکاروں کی مکاریاں واضح کردو اور اپنے رب کے نام کے ساتھ ان غاصبوں سے اللہ کی زمین کو پاک کردو۔

علم کے حصول کی ابتدا کسی بشر، کسی بڑے مربی، کسی سیاستدان یا کسی پیشوا کے نام سے نہیں کی جائے گی۔ جس نے ایسا کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

ضروری ہے کہ حصولِ علم کی ابتدا خبیر و صانع کے نام سے کی جائے اور خالق و موجد کے نام سے کہ جس نے انسان کے اعضاء بنائے، اس کے اکیلے اکیلے جز اور مرکبات کو ترتیب دیا، اسے آنکھ، ناک اور کان دیے، اس کی زندگی اور موت کو مقدر کیا، اس کا

---

[1] جامع الترمذي، حديث:2681، و سنن ابن ماجه، حديث:222. [2] جامع الترمذي، حديث: 2647.

رزق مقرر کیا کیونکہ وہی اکیلی ایک قادر ذات ہے جو اس انسان کی زندگی کو درست اور سعادت مند بنا سکتی ہے اور امن واطمینان سے بھر سکتی ہے۔

یہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کے تمام میدانوں میں دوسروں کے تجربات سے مستفید ہوں، انھیں اللہ کے نام کے ساتھ اس کے راستے میں استعمال کریں، مثلاً: ٹینک اور توپیں وغیرہ، یہ انسانی کاوش ہے اور اس میں انسانوں کی کئی کئی نسلوں نے کام کیے لیکن اگر آپ انھیں دوسروں پر زیادتی، عورتوں اور بچوں کے قتل کے لیے استعمال کریں، زمین کو تباہ و برباد کرنے کے لیے استعمال کریں، پرامن لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ان کی زمینیں غصب کرنے کے لیے استعمال کریں تو آپ اللہ کا فیصلہ نہیں مان رہے اور نہ کسی رسول کی اطاعت کر رہے ہیں۔

ان چیزوں کو اسلام میں استعمال کرنے کی شرط یہ ہے کہ یہ زمین میں اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے استعمال ہوں کہ سارے کا سارا دین اللہ کا ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

”اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔“[1]

اسی پر تمام نئی ایجادات کو قیاس کر لیں۔

مثلاً: رسائل و جرائد اور ٹیلی ویژن وغیرہ کو انسان کی بہترین تربیت، بلند اخلاق اور ان کے جذبات کو خیر کی طرف راغب کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اسے زراعت اور حیوانوں کی پیدائش اور پیداوار میں بعض تجربات کو دوسروں تک

[1] البقرة 2:193.

پہنچانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے تجربات سے مستفید ہوسکیں۔

اسے نئی ٹیکنالوجی کی وضاحت اور اس کے تجربات دوسروں کو سکھانے اور ان کے تجربات سے مستفید ہونے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

دوسری قوموں کے جنگی حربے اور گر سیکھنے سکھانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

طب اور حفظ صحت کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مختلف مرحلہ وار تعلیم کے لیے نہایت بہترین انداز سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

لیکن ہم جب تک فسق و فجور، فحش نظری اور انسانی اخلاق کی گراوٹ والی اشیاء مختلف ناموں سے استعمال کر رہے ہیں کسی بھی صورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کر رہے اور نہ ہم مومن ہیں۔

کبھی اخلاقیات کے نام سے ایسی اشیاء پیش کرتے ہیں جو آسمانی ہدایت سے کوسوں دور ہیں۔

کبھی نئی فکر کے نام سے ایسی فکر پیش کرتے ہیں جس کا اللہ کی کتاب سے ماخوذ نہیں ہوتا اور کبھی نئی تہذیب کے نام سے ایسی تہذیب پیش کرتے ہیں جو پرانی جاہلیت کی طرف لوٹا کر انسان کو حیوانیت سکھاتی ہے۔ اگر شراب، جوا، اخلاقی پستی اور عورتوں کی گندے بازاروں میں خرید وفروخت ہی نئی تہذیب ہے تو ہم ایسی نئی تہذیب کو نہیں چاہتے اور نہ اسے قبول کرتے ہیں، یہ تو گندگی اور رذالت (کمینگی) ہے، جنگل کی دنیا اور بھیڑیوں کا دستور ہے۔

البتہ ہمارا جس تہذیب پر ایمان ہے اور جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں وہ تو تعمیر و ترقی کی تہذیب ہے، ایمان اور اسلام کی تہذیب ہے، سلامتی اور محبت کی تہذیب ہے۔

اُبی بن کعب بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ ﴾

''اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاکیزہ صحیفے پڑھے جن میں درست اور معتدل احکام ہیں اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں تفرقہ ان کے پاس واضح دلیل آ جانے کے بعد پڑا، حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ بندگی کو اللہ ہی کے لیے خالص کر کے اور یکسو ہو کر اس کی عبادت کریں اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکاۃ دیں اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے۔''[1]

اُبی بن کعب بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ کی گھاٹیوں میں پروان چڑھے، لوگوں اور

[1] البینۃ 98: 1-5.

دنیا سے الگ تھلگ رہے اور اس کائنات کے مدبر کو تلاش کرتے رہے، اسی وجہ سے انھوں نے پڑھنا لکھنا بھی سیکھا اور آپ ﷺ کی بعثت سے قبل تورات کے ان اوراق پر بڑا غور وفکر کیا جو وہاں کے یہودیوں کے ہاں متداول تھے، یہودی مدینہ کے پڑوس میں رہتے تھے لیکن ان اوراق نے بھی ان کی پیاس نہ بجھائی۔

وہ اوراق بھی ان کے ذہن میں آنے والے سوالات کا جواب دینے سے قاصر رہے۔

وہ ہدایت کی تلاش میں یوں حیران و پریشان رہتے جیسے کوئی پیاسا چشمے کے لیے بے تاب ہو۔

ان کی کنیت ابو الفضل تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت بدل کر ابو المنذر رکھ تھی۔ [1]

اللہ کے بندے دنیا اور لوگوں کے ساتھ ہمیشہ ایک مقابلے میں رہتے ہیں، ان کے سامنے ہمیشہ ایسے مسائل آتے رہتے ہیں جن کا جواب وہ اپنے اندر سے نہیں پاتے اور نتیجتاً پریشانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، لوگوں سے دور بھاگتے اور فضول زندگی اور اس کے کھیل تماشے سے وحشت محسوس کرتے ہیں۔

سیدنا اُبَیّ بھی کچھ اسی قسم کے انسان تھے۔ انھوں نے محسوس کرلیا کہ انسانیت کچھ عرصے سے اپنی راہ کھو چکی ہے اور جب سے اس نے درختوں، پتھروں کو پوجنا شروع کیا ہے اس نے اپنی عقل کے دروازے بند کر لیے ہیں۔

کیا ان جمادات کو کسی ایسے نفع ونقصان کا اختیار ہے جو کسی انسان کو حاصل نہیں؟

[1] صحیح مسلم، حدیث: 810، و سبل الهدیٰ والرشاد: 375/11.

اگر مشرکین کے تصورات کے مطابق یہ جمادات کمزور انسان کی زندگی کو خوبصورت اور اس کے شب وروز کو سعادت مند بنا سکتے ہیں تو پھر کس نے آسمان کو پیدا کیا اور زمین کو وجود بخشا؟

کس نے بلند و بالا پہاڑ گاڑے اور سمندروں کو اتنی گہرائی دی؟

زمین سے انگوری کون نکالتا ہے؟

کون ہے جو میٹھی ہوائیں چلاتا اور پھر بارش برساتا ہے؟

زندگی اور موت کا حق کس کے پاس ہے؟

یہ سوالات دن رات ان کے پیچھے لگے رہتے اور کبھی ان کی زندگی کو اجیرن کر دیتے اور کبھی انھیں افکار وآلام کے وسیع سمندر میں دھکیل دیتے۔

اُبَیّ اپنی اسی دنیا میں مگن رہتے جو انھوں نے اپنے لیے بنا رکھی تھی، اپنے گھر میں پڑے رہتے، جب محسوس کرتے کہ شام ہونے کو ہے تو بلند چوٹیوں کی جانب نکل پڑتے تاکہ اللہ تعالیٰ کی صناعیوں پر غور وفکر کرسکیں اور دیکھیں کہ رات اپنے اندھیرے کے ساتھ کیسے دن کی تابناک روشنی پر حملہ آور ہوکر چھا جاتی ہے کہ پھر دن کو تلاش بھی کیا جائے تو وہ نظر نہیں آتا اور اس وقت وہ آسمان کی صاف چھت کو دیکھیں کہ جس میں بے شمار و لاتعداد چھوٹے بڑے ستارے چمک رہے ہیں اور زمین پر اپنی روشنی بکھیر رہے ہیں تاکہ دنیا میں سفر کرنے والوں کو زندگی کا راستہ دکھا سکیں۔

اور دنیا میں حیران و پریشان لوگوں کی راہنمائی اللہ کی قدرت کی طرف کرسکیں۔

اسی طرح ایک رات انھوں نے اپنے گھر کو جانے والے راستے کے پاس کسی کی یہ سرگوشی سنی:

ہاں، (وہ یہ کہ) مکہ میں ایک رسول ظاہر ہوا ہے اور وہ اپنی قوم کو بت پرستی ترک کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

سعد! وہ اور کیا کیا کہتا ہے؟

وہ اکیلے احد اور صمد کی طرف بلاتا ہے لیکن اس کی قوم اس سے جھگڑا کر رہی ہے اور انھوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

میرے بھائی اور کیا ہوا؟

چند دنوں سے اس کا ایک ایلچی ہمارے ہاں آیا ہوا ہے اور اسعد بن زرارہ کے گھر ٹھہرا ہوا ہے، وہ ایک نئے دین کی دعوت دے رہا ہے اور انھیں عجیب وغریب کلام سنا رہا ہے اور کہتا ہے کہ یہ وہ وحی ہے جو اس شخص پر نازل ہو رہی ہے۔

اُبَی اس سے مزید سننے کے لیے صبر نہ کر سکے اور فوراً دروازہ کھٹکھٹا دیا تاکہ معاملے کی اصل صورت حال سے آگاہ ہو سکیں۔ دروازہ کھول دیا گیا، یہ سعد بن ربیع کے گھر کا دروازہ تھا، یہ ایک انصاری تھے اور سابقین اولین میں شمار ہوتے تھے اور انھوں نے ہی انھیں مصعب رضی اللہ عنہ کے متعلق خبر دی تھی اور یہ لوگ دو روز بعد ہی نبی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جانے کا ارادہ کر رہے تھے اور ویسے بھی ان سے اسلام کے متعلق کافی کچھ سیکھ چکے تھے۔

اُبَی بن کعب بیعت عقبۂ اولیٰ میں شامل ہوئے، انھوں نے قرآن کریم کی کافی ساری آیات سنیں اور انھیں اپنے دماغ میں محفوظ رکھا، جب یہ لوٹ کر مدینہ آئے تو ان کا گھر حق کی تلاش میں ایمان کا نور تلاش کرنے والوں کے لیے ایک مرکز تھا اور ان کے ہاں یہ سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک جاری رہا اور اُبَی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ اسلام کے پہلے مدرسے 'مسجد نبوی' کی تعمیر میں شامل ہوئے۔

وہ مدرسہ جس سے اسلام کی پہلی کھیپ نے حق اور شریعت کے اصول سیکھے۔ سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے ایک تھے جن کا مسکن مسجد ہی تھی، اگر کبھی نکلتے تو نیند کے لیے یا قضائے حاجت کے لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا اُبی اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو باہم بھائی بنایا تھا۔ [1]

سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی کیا خوب انسان تھے! اللہ کے سامنے انتہائی زیادہ گریہ کرنے والے اور رب سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔ اللہ پر انھیں اس قدر مضبوط یقین تھا کہ لوگوں میں مشہور تھا کہ یہ مستجاب الدعوات ہیں۔

اروی بنت اوس نے مروان بن حکم کے ہاں شکایت کی اور ان پر دعویٰ کردیا کہ انھوں نے ظلماً اس کی جگہ پر قبضہ کرلیا ہے، جب انھیں اس مقدمے کا پتا چلا تو کہا: تمھارا کیا خیال ہے کہ میں اس پر ظلم کروں گا ؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ''جس نے ظلم سے کسی کی ایک بالشت بھی زمین ہتھیائی، اللہ قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دے گا۔''

اور پھر کہنے لگے: جتنا وہ سمجھتی ہے کہ یہ اس کا حق ہے وہ لے لے اور پھر اللہ کی جانب متوجہ ہوکر دعا کی: ''اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اسے تب تک موت نہ دینا جب تک اسے نابینا نہ کردینا اور اس کے گھر کے کنویں ہی کو اس کی قبر بنا دینا۔''

اس نے جتنی زمین کا دعویٰ کیا تھا سعید رضی اللہ عنہ نے وہ زمین چھوڑ دی اور اس خاتون

---

[1] المستدرك للحاكم: 343/3

نے اس پر اپنی دیوار قائم کر لی۔

راوی کہتا ہے: کچھ ہی عرصے بعد وہ نابینا ہوگئی، وہ رات کو اٹھتی تو اس کے ساتھ ایک لڑکی ہوتی جو اسے ساتھ لے کر چلتی، اسی طرح ایک رات وہ اٹھی مگر لڑکی کو نہ جگایا، اسی طرح نکل کھڑی ہوئی اور اس کنویں میں گر کر مر گئی۔ [1]

ہمارا ایمان ہے کہ ہر چیز کا وقت مقرر ہے لیکن اللہ نے ہر شئ کا سبب بھی بنایا ہے۔

اللہ نے بندے کا رزق مقرر کیا، اس کی زندگی لکھی لیکن اس کی موت کا سبب یہ بنا دیا کہ کوئی دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا یا کشتی کے ڈوبنے سے کسی کی قبر سمندر بن جائے اور تیسری صورت یہ کہ گاڑی کے حادثے میں فوت ہوگیا اور کوئی طیارے کے گرنے سے ہلاک ہوگیا۔

اسباب مختلف ہیں، ظاہری حالات میں فرق ہے لیکن ہر چیز کا وقت مقرر ہے جو اس سے لمحہ بھر آگے پیچھے نہیں ہوتی۔

جب اُبی رضی اللہ عنہ حالت امن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی جدا ہونا گوارا نہیں کرتے تھے، آپ کے ہر ہر امر و نہی پر عمل کرتے، آپ جو کچھ فرماتے فوراً یاد کر لیتے، کیا یہ ممکن ہے کہ جب نیزے چل رہے ہوں، تلواریں چمک رہی ہوں، لڑائی بھڑکی ہوئی ہو تو اُبی آپ سے جدا ہو جائیں گے؟ جب کفر کے سارے لاؤ لشکر اسلام کی اس نئی دعوت کو ابدی نیند سلا دینا چاہتے ہوں اور وہ اس وقت آپ کے ساتھ موجود نہ ہوں۔ نہیں، یہ محال ہے۔

سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ معرکۂ بدر میں شریک تھے جس میں اللہ نے حق و باطل کے درمیان

[1] صحيح البخاري، حديث: 3198، و صحيح مسلم، حديث: 1610.

واضح فیصلہ فرمایا اور مسلمانوں کی مدد اور ڈھارس باندھنے کے لیے فرشتے نازل فرمائے تھے اور آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی: ''اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر اس زمین پر تیری کبھی عبادت نہیں ہو سکے گی۔''[1]

سیدنا اُبَیّ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں بھی آپ کے ہمراہ تھے، جب مسلمانوں کو اپنے رسول ﷺ کی ذرا سی نافرمانی کی وجہ سے بڑی سخت آزمائش سے گزرنا پڑا، میدان میں نہ نکلنے چاہنے کے باوجود اُبَیّ رضی اللہ عنہ آپ کے حکم سے میدان میں نکلے تا کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی خبر لا سکیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی خبر کون لا کر دے گا؟ میں نے دیکھا تھا کہ انھیں نیزوں نے گھیر رکھا تھا۔''

اُبَیّ: اے اللہ کے رسول! میں خبر لاؤں گا، وہ نکلے اور مقتولین میں انھیں تلاش کرنے لگے بالآخر انھیں پا لیا، ابھی ان میں کچھ رمق موجود تھی۔

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ: کیا حال ہے، کیوں آئے ہو؟

اُبَیّ: مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کی خبر لانے کے لیے بھیجا ہے۔

سعد: جاؤ، رسول اللہ کو میرا سلام عرض کرنا اور بتانا کہ مجھے نیزوں کے بارہ گہرے زخم آئے ہیں اور میں نے اپنے سے لڑنے والے تمام لوگوں کو قتل کر دیا تھا اور ہاں! اپنی قوم کو یاد سے پیغام دینا: اگر اللہ کے رسول ﷺ شہید کر دیے گئے اور ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہوا تو اللہ کے ہاں ان کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ اُبَیّ رضی اللہ عنہ انھی کے پاس بیٹھے رہے حتی کہ سعد رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی جانب لوٹے اور ان کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ ان پر رحم فرمائے! زندہ تھے تو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خیر خواہ تھے اور موت کے وقت بھی اللہ اور

[1] صحيح مسلم، حديث: 1763، و جامع الترمذي، حديث: 3081.

اس کے رسول ﷺ کے خیر خواہ رہے۔" [1]

اُبَیّ رضی اللہ عنہ مستقل آپ ﷺ اور آپ کی مجلسوں کے ساتھ وابستہ رہے، جبریل علیہ السلام آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو بھی وحی لاتے اُبَیّ رضی اللہ عنہ اسے فوراً لکھتے، دین کا علم حاصل کرتے، اپنے رب کی اطاعت کرتے اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکموں کے منتظر رہتے۔ آپ ﷺ کے پاس مختلف وفود آتے اور وہ آتے ہی رہتے تھے، آپ انھیں اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیتے تاکہ وہ انھیں قرآن سکھائیں اور دین کی مبادیات سے روشناس کروائیں۔

بنو حنیفہ کے وفد کو انھوں نے تعلیم دی، ان کا رئیس 'رحال بن عنفوہ' سیدنا اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے دو زانو ہوکر بیٹھا تاکہ قرآن سیکھے اور علم حدیث حاصل کرے۔ [2]

اسی طرح ثقیف کا وفد بھی اُبَیّ رضی اللہ عنہ سے تعلیم حاصل کر کے گیا، ان میں سے ایک شخص عثمان بن ابی العاص نے آپ ﷺ سے ملاقات کے بعد وفد کے ساتھ واپس جانے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ میں سیدنا اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس رہوں گا اور قرآن اور دین کے امور سیکھوں گا۔ [3]

اسی طرح 'غامد' کا وفد بھی، جو اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کافی دیر بقیع الغرقد میں مقیم رہے اور ان سے قرآن اور دین کے علوم سیکھتے رہے۔

جب کبھی آپ ﷺ مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو سیدنا اُبَیّ رضی اللہ عنہ ہی لوگوں کو نمازیں

[1] أسد الغابة:433,432/2. [2] المفصل فی تاریخ العرب:98/11. [3] أسد الغابة:574/3.

پڑھاتے اور جو کوئی سوالات و استفسارات ہوتے وہ انھی سے پوچھے جاتے تھے۔ ان تمام کاموں کی ذمہ داری آپ ﷺ خود انھیں سونپتے، آپ جانتے تھے کہ دین کی سمجھ اور اللہ کی کتاب کی معرفت میں سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے سب سے بڑے قاری اُبیؓ ہیں۔''[1]

ابونضرہ جابر نامی شخص سے روایت کرتے ہیں، اس نے کہا: میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے ہاں کسی کام کی غرض سے گیا، ان کے پہلو میں ایک سفید بالوں والے سفید لباس پہنے بزرگ بیٹھے تھے۔ انھوں نے کہا: یقیناً دنیا مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ اور آخرت کے لیے زادِ راہ جمع کرنے کی جگہ ہے اور ہم اس میں ایسے اعمال کر رہے ہیں جو آخرت میں ہمارے سامنے آئیں گے۔''

میں نے پوچھا: امیر المومنین یہ بزرگ کون ہیں؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ مسلمانوں کے سردار اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔[2]

بلاشبہ! وہ قرآن کی تلاوت میں مسلمانوں کے استاد قاری، اپنے رب کے اوامر کی اطاعت میں مسلمانوں کے سردار اور ہر ہر معاملے میں مسلمانوں کے لیے قدوہ ہیں کیونکہ انھوں نے پہچان لیا تھا کہ اپنے نفس کو کیسے مستحکم اور اپنی خواہشات کو کیسے قابو میں کریں، اس لیے ان کے لیے تمام معاملات آسان ہوگئے، اللہ نے ان کے دل کی آنکھ کو روشن کر دیا اور ان کی ہر طرح کی رشد وہدایت کی طرف راہنمائی فرمادی۔ ان تمام چیزوں کے باوجود وہ قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت کیا کرتے تھے، سفر میں ہوں یا حضر میں کبھی اس کا ناغہ نہیں کرتے تھے۔

---

[1] المستدرك للحاكم: 477/3، والبداية والنهاية: 111/7، و أسد الغابة: 170/1. [2] الطبقات الكبرىٰ: 499/3، و الأدب المفرد: 168/1.

ابومہلب سیدنا اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں ہر آٹھویں رات قرآن ختم کرتا تھا اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ ہر ساتویں رات۔ [1] جو شخص ایسا کرتا ہے وہ قرآن کا ادب بجالاتا اور اس کے نہج پر زندگی گزارتا ہے، اس کے احکامات پر عمل کرتا اور اس کے منع کردہ کاموں سے بچتا ہے۔ وہ کسی امر کے واقع ہونے سے پہلے اس میں نہیں پڑتا اور نہ بے جا مسائل کی جزئیات نکالتا ہے اور نہ اس چیز کے متعلق فتویٰ دیتا ہے جو ابھی واقع نہ ہوئی ہو، فرضی باتیں نہیں بناتا اور نہ بغیر علم کے کوئی بات کرتا ہے، جیسے بعض تکلفاً علم کے دعویدار کرتے ہیں۔

شعبی نے مسروق سے روایت کی، کہتے ہیں میں نے اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا تو وہ کہنے لگے: بھتیجے! ایسا ہو چکا ہے؟

عرض کی: جی نہیں۔

کہنے لگے: جب تک معاملہ پیش نہ آیا کرے ہمیں معاف رکھو، جب واقع ہو جائے گا تو اجتہاد بھی کر لیں گے۔ [2]

مسجد نبوی میں سیدنا اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوتے، وعظ و نصیحت کرتے لوگوں کو اللہ کی طرف سے خوش خبریاں سناتے اور اللہ سے ڈراتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہوا جو بھی قول و فعل ہوتا اس سے لوگوں کو فیض یاب کرتے۔

قیس بن عبادہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے ملنے کی غرض سے مدینہ آیا مجھے سب سے مل کر خوشی ہوئی لیکن جو خوشی سیدنا اُبیّ رضی اللہ عنہ سے مل کر ہوئی وہ کسی اور سے مل کر نہیں ہوئی۔ میں پہلی صف میں موجود تھا، وہ تشریف لائے، نماز پڑھائی اور

---

[1] صفة الصفوة:1/476. [2] سير أعلام النبلاء:1/399، و صفة الصفوة:3/500.

آپ ﷺ سے چند احادیث بیان کیں، لوگ جس انداز سے گردنیں اٹھا اٹھا کر آپ کی بات سن رہے تھے میں نے لوگوں کو اس انداز سے کسی اور کی باتیں سنتے نہیں دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے: مختلف علاقوں کی بیعت لینے اور دینے والے دونوں تباہ ہو گئے، انھوں نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی، پھر فرمایا: وہ خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ مجھے ان پر کوئی افسوس نہیں، مجھے تو افسوس ان مسلمانوں پر ہے جو تباہ ہو رہے ہیں۔"[1] یہ کیونکر ہلاک ہوئے؟ ان کے ہلاک ہونے کا سبب کیا ہے؟ کیا اپنے نبی ﷺ کے طریق سے دور ہونے کی وجہ سے یا اپنے رب کی کتاب کو پیٹھ پیچھے چھوڑ دینے اور ترک کر دینے کی وجہ سے؟ یہی وہ اصل ہلاکت ہے کہ جس کے بعد اس سے بڑی ہلاکت اور بربادی کوئی نہیں۔

اسی لیے اگر کوئی سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ سے کوئی نصیحت طلب کرتا تو یہی فرماتے: اللہ کی کتاب کو اپنا امام بنالو، اس کے فیصلوں اور حکموں پر راضی ہو جاؤ، وہی چیز ہے جو تمھارے نبی تم میں چھوڑ گئے ہیں، قیامت کے دن تمھاری شفاعت بھی کرنے والے ہیں اور ایسی گواہ بھی کہ جس کی گواہی میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہوگا، اس میں تمھارا اور تم سے پہلی قوموں کے تذکرے بھی ہیں، تمھارے مسائل کا حل بھی، تمھاری اور تمھارے بعد آنے والوں کی خبریں بھی اس میں موجود ہیں۔"[2]

واقعتاً قرآن سے دور ہونے ہی کی وجہ سے امت اسلامیہ گمراہ ہوئی۔

آج مسلمانوں کو جس قسم کی بھی کمزوری، ذلت اور رسوائی کا سامنا ہے اس کی وجہ قرآن سے دوری ہی ہے۔

---

[1] مسند أحمد: 140/5. [2] سیر أعلام النبلاء: 392/1، و حلیة الأولیاء: 253/1.

اسلام سے پہلے عرب کو ان کے ارد گرد کے لوگ کچھ خاص نہیں جانتے تھے لیکن جب انھیں قرآن کا تعارف ہوا تو سارے بادشاہ ان کے سامنے جھک گئے اور بڑے بڑے قیصر و کسریٰ ان سے محبتیں جتانے پر مجبور ہوگئے کیونکہ انھوں نے اپنے تمام اسباب کی ڈور اللہ پر ڈال دی تھی۔

جب آسمانی کتابوں میں سے قرآن کریم اپنے اصل الفاظ سمیت موجود ہے کہ جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾

”یہ قرآن ہم ہی نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“[1]

اور نبی ﷺ کی سنت جو کہ تشریع میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ ہے، اس کا مسلمانوں کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ہے، ان کی تعمیر و ترقی کا مدار بھی انھی چیزوں پر ہے۔

سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیدھے راستے پر رہو اور آپ ﷺ کے فرامین اچھی طرح تھامے رکھو، جو شخص بھی اس انداز سے اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اس سے ڈر کر اس کی آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں اسے کبھی آگ نہیں چھو سکتی اور جو شخص بھی صراط مستقیم پر آپ کے فرامین کے مطابق چل رہا ہے اور اللہ کے ذکر سے اس کا جسم کانپ اٹھتا ہے اس کی مثال ہو بہو اس درخت کے سوکھے پتے جیسی ہے جو ذرا سی ہوا کے چلنے سے گر جاتا ہے، اس شخص کے گناہ بھی اس سے ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے وہ پتا جھڑ جاتا ہے۔

بلاشبہ میانہ روی والا مسنون اور شرعی عمل ایک غیر مسنون و غیر شرعی بڑے عمل سے

[1] الحجر 9:15.

کہیں بہتر ہے۔ عمل کی فکر کرو، وہ اعلیٰ درجے کا ہو، خواہ میانہ روی والا انبیاء کے منہج سے پرے نہ ہو۔ [1]

اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ مومن شخص کی منظر کشی کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ مومن ان چاروں حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں پایا جاتا ہے۔

آزمایا جائے تو صبر کرتا ہے۔

نعمت سے نوازا جائے تو شکر کرتا ہے۔

بات کرے تو سچ کرتا ہے۔

فیصلہ کرے تو عدل سے کرتا ہے۔

اور مومن پانچ قسم کے نوروں میں رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ﴾

''اس کا بولنا نور، اس کا علم نور، اس کا نکلنا نور، اس کا داخل ہونا نور اور قیامت کے روز بھی وہ نور ہی کی جانب جائے گا۔''

جو کافر ہے وہ پانچ اندھیروں میں سرگردان رہتا ہے: اس کا بولنا اندھیرا، اس کا عمل اندھیرا، اس کا داخل ہونا اندھیرا اس کا نکلنا اندھیرا اور قیامت کے دن بھی اس کا انجام اندھیرا ہی ہوگا۔ [2]

اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا:

اس کافر کے لیے کہاں سے نور پیدا ہو کہ جس کی آنکھوں کو اللہ نے اس انداز سے اندھا کر دیا تھا کہ وہ حق کو نہ دیکھ سکا، گمراہی کے زنگ نے اس کی بصیرت کو اندھا کر

[1] مصنف ابن أبي شيبة:6/14، و الشفاء:12/2. [2] تفسير الطبري، و الدر المنثور، النور24:35، 40.

دیا تھا کہ وہ نور کی جانب جا ہی نہیں سکا۔

اپنے رب سے کفر کرنے والا اپنے مولیٰ کے احسانات کا منکر اور گمراہی و سرکشی میں تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

یہ کفر ایک ایسی صفت ہے کہ جس کے ساتھ اس اتنی بڑی کائنات کے تمام حیوانات اور جمادات میں سے صرف اس ناشکرے انسان ہی کو متصف کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جتنی بھی چیزیں ہیں، اپنے رب کی عبادت کرتی ہیں، اسی کی تسبیح کرتی ہیں اور اسی کے سامنے عاجزی کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ ﴾

"ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہے اس (اللہ) کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حوصلے والا، بہت بخشنے والا ہے۔"[1]

سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ جو کہ چشمۂ نبوی سے خوب سیر ہوئے تھے، ہمیشہ متغیر چہرے اور ٹوٹے ہوئے بدن کے ساتھ نظر آتے، جیسے ابھی کسی لمبے سفر سے لوٹے ہوں۔ انھوں نے ایک دن آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بخار کا کیا نتیجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "بخار کے ساتھ جب تک انسان کے قدم لڑکھڑائیں یا اسے پسینہ آجائے تو وہ اس کے لیے نیکیاں لکھا جاتا ہے۔" اُبی کہنے لگے: اے اللہ! میں تجھ سے ایسے بخار کا سوال کرتا ہوں جو میرے لیے تیری راہ میں نکلنے، تیرے گھر کا سفر

[1] بنی إسرائیل 17:44.

کرنے اور تیرے نبی ﷺ کی مسجد میں آنے سے مانع نہ ہو۔ راوی کہتا ہے: اس کے بعد جب بھی آپ سے کوئی ملا تو اس نے آپ کو بخار ہی میں پایا۔[1]

ایک روز حسب عادت اُبی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں کو قرآن پڑھا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سنا رہے تھے تو فرمایا: جب آپ ﷺ پر چوتھائی رات گزر جاتی تو آپ فرماتے: ''اے لوگو! اللہ کو یاد کرو اور اس وقت سے ڈرو جب ایک بھونچال آئے گا، اس کے بعد دوسرا جھٹکا لگے گا اور قیامت آجائے گی۔''

پھر فرمایا: ''اے اُبیؓ! کیا میں تمھیں وہ کلمات نہ سکھاؤں جو جبریل علیہ السلام نے مجھے سکھائے؟

میں نے عرض کی: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ! ضرور۔

فرمایا: ''کہا کرو: اے اللہ! میرے تمام گناہ معاف فرمادے، جان بوجھ کر کیے ہوئے، لاپرواہی میں کیے ہوئے اور کوشش سے کیے ہوئے۔ جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں مجھے برکت سے محروم نہ رکھنا اور جو میرے پاس موجود نہیں اس سے بھی مجھے محروم نہ کرنا۔[2]

پھر اُبیؓ کی آواز لڑکھڑانے لگی، چہرہ متغیر ہوگیا اور ان کا ہاتھ عصا اٹھانے سے بھی عاجز آگیا لیکن ایک سائل نے اصرار سے یہ سوال کر ڈالا کہ آپ کا ان حکمرانوں کے متعلق کیا خیال ہے جو بڑے بڑے محلات بنا رہے ہیں اور انھوں نے اپنے اور لوگوں کے درمیان دربان بٹھا دیے ہیں؟

کہنے لگے: اے اللہ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے جمعے تک زندہ رکھا

---

[1] المعجم الكبير للطبراني:226/1، و كنزل العمال فى سنن الأقوال:392/1. [2] الدر المنثور، النّٰزعٰت6,5:79، و حلية الأولياء:256/1.

تو میں بلا خوف وخطر ان لوگوں کو وہ کچھ بتادوں گا جو ایسے حکمرانوں کے متعلق میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے۔

وہ شخص بھی جمعے کے انتظار میں لوٹ گیا۔

سائل کہتا ہے: جمعرات کو میں اپنے کسی کام سے نکلا تو مجھے گلیوں میں بہت ہلچل نظر آئی، کوئی گلی بھی لوگوں سے خالی نہیں تھی۔

میں نے پوچھا: خیر تو ہے؟

بتایا گیا: مسلمانوں کے سردار سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ وفات پا گئے ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ پر رحمتوں کی برکھا برسائے اور انھیں بہترین جزا عطا فرمائے، آمین!

[1] المستدرك للحاكم: 2/246.



آیت کا سبب نزول

امام احمد رحمہ اللہ نے مالک عمرو بن ثابت انصاری سے روایت ذکر کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ ﴾

"اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے۔"[1]

جبرئیل نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے رب نے آپ کی جانب حکم بھیجا ہے کہ آپ یہ آیات اُبیّ رضی اللہ عنہ کو سکھائیں تو نبی ﷺ نے سیدنا اُبیّ سے فرمایا: "مجھے جبرئیل نے حکم دیا ہے کہ یہ سورت تمھیں سکھاؤں۔"

اُبیّ رضی اللہ عنہ نے بڑی حیرت سے کہا: اے اللہ کے رسول! اس عظیم مقام پر میرا تذکرہ ہوا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں۔" تو وہ فرط خوشی سے رونے لگے۔[2]

ایک اور سند سے روایت ہے، اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے

[1] البينة 98:1. [2] مسند أحمد: 489/3.

رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں قرآن سناؤں۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا.....﴾ اور آپ نے فرمایا: ''اگر ابن آدم اللہ سے مال کی ایک وادی مانگے اور اللہ اسے دے دے تو یہ دوسری مانگنے لگے گا اور اگر اسے وہ دوسری بھی دے دے تو یہ تیسری مانگنے لگ جائے گا، آدم کے بیٹے کا پیٹ مٹی ہی بھرے گی۔ اللہ اسی کی توبہ قبول فرماتا ہے جو اس کی جانب رجوع کرتا ہے۔ اللہ کو شرک، یہودیت اور عسائیت نہیں بلکہ حنیفی دین پسند ہے اور جو کوئی نیکی کرتا ہے اللہ اس کی نیکی کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔''[1]

طبرانی میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ابو المنذر! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمھیں قرآن سناؤں۔''

اُبی رضی اللہ عنہ: میں اللہ پر ایمان لایا، آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپ ہی سے قرآن سیکھا، لہٰذا آپ ہی مجھے سنائیں گے، میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا میرا وہاں تذکرہ ہوا تھا؟

فرمایا: ''ہاں، تمھارے نسب سمیت تمھارا نام ملأ اعلیٰ میں ذکر کیا گیا۔''

کہا: اگر ایسی بات ہے تو اللہ کے رسول ﷺ! ضرور سناتے۔[2]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ واقعہ اس سند کے ساتھ غریب ہے۔

اور ساتھ لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے انھیں قرآن اس لیے سنایا تاکہ ان کا

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4960، و جامع الترمذي، حديث: 3898، و مسند أحمد: 131/5.

[2] المعجم الكبير للطبراني: 226/1.

ایمان مزید پختہ اور مزید بڑھ جائے۔

امام احمد اور نسائی ﷭ نے سیدنا انس ﷜ سے بیان کیا ہے کہ سیدنا اُبی ﷜ نے عبداللہ بن مسعود ﷜ کی قراءت پر اعتراض کیا کیونکہ وہ اس طرح نہیں پڑھ رہے تھے جس طریقے سے اُبیّ کو آپ ﷺ نے سکھایا تھا، وہ انھیں لے کر آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گئے، آپ نے دونوں سے تلاوت سنی اور فرمایا: "دونوں درست پڑھ رہے ہو۔"

اُبیّ کہتے ہیں: آپ کی اس بات سے میرے دل میں شک سا گزرا تو آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا، اس سے میرا پسینا چھوٹ گیا اور مجھے یوں لگا جیسے میں انتہائی خوف کے عالم میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ ﷺ نے انھیں بتایا کہ ان کے پاس جبرئیل آئے تھے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کو کئی لہجوں میں قرآن سکھائیں۔

اُبیّ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کا خواستگار ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے جبرئیل سے پوچھا: دو لہجوں میں سکھاؤں؟ بات ہوتی رہی، ہوتی رہی حتی کہ کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ سات لہجوں میں قرآن کی تعلیم دیں۔ [1] واللہ اعلم۔

[1] تفسیر ابن کثیر، القدر 97:1-5.

سبق آموز باتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلْقَيِّمَةِ ۝﴾

''حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ بندگی کو اللہ کے لیے خالص کر کے، یکسو ہو کر، اس کی عبادت کریں اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکاۃ دیں اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے۔''[1]

اللہ کی عبادت ہی دنیا کے معرضِ وجود میں آنے کا سبب ہے اور اسی پر دنیا قائم ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾

''اور میں نے جن اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔''[2]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بشری جنس سے زمین میں کوئی خلیفہ ہونا چاہیے تو اس بات سے فرشتے بہت ہی متعجب ہوئے، انھوں نے اپنے رب سے کہا:

[1] البينة 98:5. [2] الذّٰريات 51:56.

﴿ قَالُوٓا۟ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ ٱلدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾

''انھوں نے کہا: کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ جبکہ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔'' [2]

کیا اس زمین میں قتل وغارت اور فساد اس کی طبیعت ہے؟

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ''جب میں نے اسے برابر کر دیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔'' اس کا معنی تو یہ ہوا کہ اس مخلوق میں اللہ کی روح ہے۔ اس میں تو اس پھونک کی وجہ سے ہدایت، صلاح اور خیر ہی خیر ہے، گمراہی، قتل وغارت اور فساد تو زمین کا خاصہ ہے۔

پھر تو انسانیت کے لیے کوئی ایسا مرشد اور مربی ضرور ہونا چاہیے جو اس کی صحیح راہنمائی کرے جس کے طفیل یہ گمراہی سے بچ جائے اور غلط راہوں سے محفوظ ہو سکے۔

تو پھر رسولوں کی بعثت شروع ہوئی، ایک کے پیچھے ایک آتے رہے اور سب کے سب ایک دین اسلام کی دعوت دیتے رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی دعوت دی اور اپنی قوم کو اسی بات کا اقرار کرنے کی جانب بلایا اور اپنے رب کی بات بڑی تاکید سے انھیں بتائی:

---

[1] البقرۃ 30:2۔ [2] البقرۃ 30:2۔

﴿ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾

''اے میری قوم! اگر تمھیں میرا قیام اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے، چنانچہ تم اور تمھارے شریک مل کر (میرے خلاف) فیصلہ کرلو، پھر تمھارا فیصلہ تم میں (کسی سے) پوشیدہ نہ رہے، پھر مجھ پر تم وہ نافذ کردو اور مجھے مہلت نہ دو، پھر اگر تم (حق سے) پھر جاؤ تو میں نے تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کیا، میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمے ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔''[1]

انھیں صحیح دین کی دعوت دی لیکن انھوں نے اسے ٹھکرا دیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے:

﴿ لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ ﴾

''اور انھوں نے کہا: تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور ہرگز نہ چھوڑو تم وَدّ کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغُوث اور یعُوق اور نہ نَسْر کو۔''[2]

بالآخر ان پر طوفان آیا۔ اس نے سارے بت توڑ دیے، سارے شرک کو غرق کر دیا اور دنیا سے کفر اور اس کے چیلوں کو نیست و نابود کر ڈالا۔

پھر ہود علیہ السلام آئے، انھوں نے اپنی قوم کو دینِ حق اور توحید کی جانب پکارا، اللہ تعالیٰ

[1] یونس 10:71، 72۔ [2] نوح 71:23۔

نے ہود علیہ السلام کی زبانی ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝﴾

''اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟'' [1]

لیکن انھوں نے ان کی ایک نہ مانی، حضرت ہود علیہ السلام کے ڈرانے کے بعد وہ کہنے لگے: ﴿ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾

''چنانچہ اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے۔'' [2]

پھر ان پر ایک زور دار آندھی آئی اس نے ہر چیز تباہ کر دی، قرآن کریم نے ان کی ہلاکت کا نقشہ اس انداز سے کھینچا ہے:

﴿ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝﴾

''اور جو عاد تھے وہ یخ تند و تیز بے قابو آندھی سے ہلاک ہوئے۔ اللہ نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن (ان کی) جڑ کاٹنے (فنا کرنے) کے لیے مسلط رکھا، پھر آپ اس قوم کو پچھاڑے (ہلاک کیے) ہوئے دیکھتے ہو، گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں، پھر کیا آپ کو ان کی کوئی باقیات نظر آئی؟'' [3]

---

[1] الأعراف 65:7. [2] الأعراف 70:7. [3] الحاقۃ 69:6-8.

پھر حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے، انھوں نے بھی لوگوں کو اسلام اور کلمۂ توحید کی جانب بلایا، اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ فرمایا:

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾

''صالح نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں۔''[1]

کافر مسلمانوں سے کہنے لگے: تم کیا کہتے ہو کہ صالح علیہ السلام کو اس کے رب نے بھیجا ہے؟

مسلمان:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾

''جو انھیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''[2]

کافر کہنے لگے: ''جس پر تم ایمان رکھتے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔''[3]

اور ساتھ ہی حضرت صالح علیہ السلام کو چیلنج کرتے ہوئے کہا: ''اگر تم رسولوں میں سے ہو تو ہم پر وہ (عذاب) لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو۔''[4]

نتیجتاً اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور ان منکروں کافروں پر اپنا عذاب نازل فرما دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾

''اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں زبردست چیخ نے آ پکڑا، پھر وہ اپنے

[1] الأعراف 73:7. [2] الأعراف 75:7. [3] الأعراف 76:7. [4] الأعراف 77:7.

گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔''[1]

اللہ کے پیغام پے درپے اترتے رہے اور یکے بعد دیگرے پیغمبر مبعوث ہوتے رہے اور ہر ایک (پیغمبر) لوگوں کو صراطِ مستقیم اور اسلام کی دعوت دیتا رہا، اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾

''اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ حکومت دی ہے اور مجھے باتوں (خوابوں) کی تعبیر سکھائی ہے، اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔''[2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اپنے اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے نبی سے کہتے ہیں کہ وہ ان کے اسلام کی گواہی دیں۔ ارشاد فرمایا:

﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾

''پھر جب عیسیٰ نے ان میں کفر محسوس کیا تو ان سے کہا: اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار بنے گا؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ (کی راہ میں آپ) کے انصار (مددگار) ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔''[3]

[1] ھود 67:11. [2] یوسف 101:12. [3] آل عمران 52:3.

فرعون کے جادوگر وقت کے سب سے بڑے سرکش (فرعون) کا اسلام کے کلمے کے ساتھ سامنا کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ فرعون انھیں کس چیز کی سزا دینا چاہتا ہے اور ان سے کیا انتقام چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۚ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝﴾

"بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں اور (اے فرعون!) تو ہمیں صرف اس بات کی سزا دے رہا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے ہیں، جب وہ ہمارے پاس آ گئیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں اس حال میں فوت کر کہ ہم مسلمان ہوں۔"[1]

یعنی اسلام نوح علیہ السلام کی دعوت ہے، ابراہیم خلیل علیہ السلام کا دین ہے، اسماعیل ذبیح علیہ السلام کا مقصد زندگی ہے اور وہ حقیقت ہے جس پر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو فوت ہونے کی وصیت کر رہے ہیں اور (اسلام) وہ فکر ہے کہ جس کی بنیاد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار موت کو گلے لگانے پر بڑے خوش ہیں اور اس کے بدلے دنیا کی زینت اور چکا چوندھ کو ترک کرنے پر آمادہ ہیں۔

جب یہ اسلام ہی اللہ کے تمام انبیاء اور رسولوں میں قدر مشترک ہے تو پھر اللہ کی طرف دعوت، اکیلے ایک کی عبادت کی پکار اور توحید خالص کی طرف ندا یہی ہر دین کی اساس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

[1] الأعراف 7:125،126.

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾

"اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔" [1]

جب ساری بات کا نچوڑ ہی یہ ہے تو جھگڑا کس بات کا ہے؟

دین کے نام پر تعصبات کیسے ہیں...... رسولوں کے ناموں پر قتل و غارت کے کیا معنیٰ؟

اللہ کے دین پر اختلاف ہے؟ وہ تو ایک ہے۔

حقیقت الوہیت پر قتل و غارت ہے حالانکہ وہ ذات تو بالکل اکیلی ہے۔

اے دنیا جہان میں رہنے والے مسلمانو! تمھاری طرف آنے والے پیغامات واضح ہیں، تمھارا دین سب سے آخری دین ہے، تمام گمراہ لوگوں کو اس کی طرف بلاؤ، اگر تم نے ایسا کیا تو تم اللہ کے اس فرمان کے مصداق ٹھہرو گے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" [2]

کیا تم اس راستے پر چلنے کے لیے تیار ہو......؟

ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس امت کو اس راہ پر گامزن کر دے!

---

[1] الأنبياء 25:21. [2] آل عمران 110:3.



آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ نوجوان نسل بتدریج اسلام سے دور ہو رہی ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اپنے اسلاف کی سیرت پڑھائیں، نوجوان نسل کو بتائیں کہ ان کے اخلاق وکردار کیسے تھے اور انھوں نے اسلام کے لیے کتنی قربانیاں پیش کیں۔

"رجالِ قرآن" کے فاضل مؤلف ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ کا اسلوب بیان بڑا عمدہ ہے۔ انھوں نے بالکل کہانی کے انداز میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت اس کتاب میں بیان کی ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ ان کفار اور منافقین کے بارے میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا، کتاب میں موجود واقعات تاریخ کی مستند کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان واقعات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں میں ہمارے لیے دروس ہیں۔

دارالسلام